ماہنامہ

اِنذار

مدیر
ابو یحییٰ

جولائی 2018ء

قوموں کی تقدیر ان کے
حکمران بدلنے سے نہیں بلکہ
ان کے اخلاق بدلنے سے بدلتی ہے

www.inzaar.org

ماہنامہ

اِنذار

جولائی 2018ء شوال/ذوالقعدہ 1439ھ

جلد 6 شمارہ 7

ابویحییٰ کے قلم سے

مدیر:
ابویحییٰ ریحان احمد یوسفی

سرکولیشن مینیجر:
غازی عالمگیر

معاون مدیر:
عابد علی، بنت فاطمہ، سحر شاہ

معاونین:
محمد شفیق، محمود مرزا

فی شمارہ — 25 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 500 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 400 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ)
بیرون ملک 2500 روپے
(زرتعاون بذریعہ پوسٹل بیریئر آرڈر یا ڈرافٹ)
نارتھ امریکہ: فی شمارہ 2 ڈالر
سالانہ 24 ڈالر

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

عظیم خدا اور غافل انسان

سن 2015 میں کراچی میں گرمی کی سخت لہر آئی تھی جس میں ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے تھے۔ اس کے بعد جب بھی گرمی کی کوئی لہر آتی ہے تو حکومت بھی وارننگ جاری کرتی ہے اور عام لوگ بھی سوشل میڈیا کو استعمال کر کے دوسروں کو پہلے سے مطلع کر دیتے ہیں تا کہ لوگ پہلے سے اپنی حفاظت کا انتظام کر لیں۔ کراچی میں پچھلے دنوں دوبارہ ایسی ہی گرمی کی لہر آئی تو سوشل میڈیا پر ایک الرٹ اس طرح آیا کہ جولائی کے مہینے میں کراچی میں سو ڈگری تک گرمی پہنچنے والی ہے جس میں لاکھوں لوگوں کے مرنے کا اندیشہ ہے۔

مجھ تک یہ پیغام پہنچا تو میں نے ایک لمحے میں اسے ہنس کر ٹال دیا کہ اس طرح کی چیزیں حقیقت سے کوسوں دور ہوتی ہیں۔ پھر اگلے لمحے یہ خیال آیا کہ یہ ایسی کونسی بات ہے جو ناممکنات میں سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سورج یا زمین میں سے کوئی اپنی جگہ معمولی سی بھی بدل لے تو زمین کا درجہ حرارت ناقابل برداشت ہو جائے گا اور سات ارب انسانیت تمام موجودات سمیت فنا ہو جائے گی۔ نظام شمسی کے باقی سات سیارے اس بات کا زندہ ثبوت بن کر ہمارے سامنے موجود ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف خدا کی ہستی ہے جس نے ہمیں ایک ایسی کائنات میں زندہ رکھا ہوا ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے زندگی کے لیے قاتل کائنات ہے۔ یہ خدا کی رحمت ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز جو موت کا سامان ہے اسے رب العالمین نے نعمت کا دستر خوان بنا رکھا ہے۔

سورج، چاند، تارے، سمندر، پہاڑ، ہوا، بارش، دن و رات کا سلسلہ غرض اس دنیا کی ہر چیز ایک عظیم نعمت ہے۔ مگر صرف تب تک جب تک کہ خدا نے اسے ایک خاص طریقے سے ہماری خدمت میں نہ لگا رکھا ہو۔ خدا ان کو بے لگام چھوڑ دے تو یہ لمحہ بھر میں انسان کو مار ڈالیں۔ کتنا عظیم ہے وہ خدا جس نے یہ کرم کر رکھا ہے اور کتنا غافل ہے وہ انسان جو اس خدا کو بھول کر جیتا ہے۔

مردوں کے لیے فتنہ

بخاری و مسلم کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد مردوں کے لیے سب سے مضر فتنہ عورتوں کا قرار دیا ہے۔ یہ روایت اس دنیا میں لیے جانے والے دو بنیادی امتحانوں میں سے ایک امتحان کا بیان ہے۔

اس دنیا میں انسان کا ایک امتحان یہ ہے کہ وہ اپنی بڑائی قائم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ دنیا میں آدھا فساد اس فتنے سے پیدا ہوتا ہے۔ باقی آدھا فساد امتحان کے اگلے حصے سے پیدا ہوتا ہے جو دنیا کی لذات کو اپنا مقصد بنا کر ان کے پیچھے اندھا دھند بھاگنا ہے۔ اس اندھی دوڑ کا آغاز شعور کی زندگی میں پہنچنے کے بعد اس وقت شروع ہو جاتا ہے جب انسان میں صنف مخالف کی شدید خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مردوں کی زندگی کا مقصد یہ بن جاتا ہے کہ عورت کو حاصل کر لیا جائے۔ کچھ لوگ اس خواہش میں جائز حدود پامال کر دیتے ہیں اور ساری زندگی عورتوں کی ہوس میں مبتلا رہتے ہیں۔

کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو اس پہلو سے خدا کی حدود پامال تو نہیں کرتے اور گھر بسا کر ایک پاکدامن زندگی گزارتے ہیں۔ مگر عورت ایک دوسرے پہلو سے ان کے لیے فتنہ بن جاتی ہے۔ ان کی بیویاں ساری زندگی ان سے فرمائشیں کرتی رہتی ہیں۔ جائز نکاح کی طرح جائز فرمائش بھی کوئی گناہ نہیں، مگر جب زندگی فرمائش بن جائے تو پھر یہ انسان کو سگ دنیا بنا دیتی ہے۔

ایسے مردوں کی بیویاں ساری زندگی انھیں خواہشات کے پیچھے دوڑاتی ہیں اور وہ جانوروں کی طرح بیوی کے اشارے پر دوڑتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ حدود الٰہی پامال نہ بھی کریں تب بھی انفاق اور خدمت دین کے تمام مواقع ضائع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ عورتیں ایسے مردوں کو جنت اور اس کے اعلیٰ مقامات سے محروم کروانے کا سبب بن جاتی ہیں۔

عذر کی نفسیات

جم رہون (Jim Rohn) ایک امریکی تاجر، مصنف اور مقرر تھا۔ وہ 1930 میں پیدا ہوا اور 2009 میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا ایک قول اس طرح ہے۔

"If you really want to do something, you'll find a way. If you don't, you'll find an excuse."

مطلب یہ کہ اگر آپ واقعی کچھ کرنا چاہتے ہیں تو آپ راستہ تلاش کرلیں گے۔ اگر آپ کچھ نہیں کرنا چاہتے تو آپ بہانہ تلاش کرلیں گے۔

جب انسان کوئی کام کرنے کا فیصلہ کرلیتا ہے تو وہ بدترین حالات میں بھی اپنی ذمہ داری پوری کرنے کا راستہ ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔ اس کی ایک سادہ مثال روزہ رکھنا ہے۔ باعمل مسلمان کو گرمیوں کے سخت گرم دن اور طویل روزے بھی پورا رمضان روزہ رکھنے سے باز نہیں رکھ پاتے۔ اسی طرح ملازمت پیشہ لوگ ہر طرح کے حالات میں آفس جاتے ہیں۔

تاہم انسان جب کچھ کرنا نہیں چاہتا تو پھر اس کی عقل اس کو فرار کے ہزار راستے سکھا دیتی ہے۔ مثلاً ایسے لوگوں کے لیے کسی اجتماعی اور فلاحی ذمہ داری کے لیے کچھ وقت یا پیسے دینے کے بجائے دس عذر پیش کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ کسی ضرورت مند یا سوالی کی مدد کے موقع پر اپنے ذاتی اور کاروباری مسائل کی تفصیل انھیں یاد آجاتی ہے۔ کسی ذمہ داری کو اٹھانے کے موقع پر اپنی دس مصروفیات کا بہانہ وہ پیش کر دیتے ہیں۔

پہلی قسم کے لوگ کسی قوم اور کسی ادارے کے لیے سب سے بڑا سرمایہ ہوتے ہیں۔ دنیا میں بھی انھیں عزت ملتی ہے اور آخرت میں بھی یہی سب سے آگے ہوں گے۔ جبکہ دوسری قسم کے لوگ دنیا میں انسانوں اور آخرت میں خدا کے سامنے بے عزت قرار پائیں گے۔

سیاسی معاملات اور خدا کی پکڑ

میں جب لوگوں کو سیاسی معاملات پر رائے زنی کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو بصد افسوس زبان سے نکلتا ہے کہ لوگوں نے کیسے سمجھ لیا ہے کہ سیاسی معاملات خدا کی گرفت سے کوئی باہر کی چیز ہیں۔ لوگوں کی یہ غلط فہمی ہے کہ اندھے تعصب کی بنا پر اپنے کرپٹ، بے اصول اور بے ضمیر لیڈروں کا دفاع کرتے رہیں گے اور خدا ان سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کرے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں اپنے تعصّبات کی بنا پر لیڈروں اور جماعتوں سے اندھی عقیدت اور ان کی ہر جائز و ناجائز بات کا دفاع کرنا لوگوں نے اپنا فرض سمجھ لیا ہے۔ دور جدید میں لیڈروں کی طاقت عوام ہیں۔ اگر لیڈر ظلم کرتا ہے تو عوام میں سے بھی ان کے حمایتی کسی صورت بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ اگر لیڈر کرپٹ ہے تو عوام میں سے ان کا دفاع کرنے والے بھی اس کے جرم میں حصے دار ہیں۔ اگر لیڈر بے اصول، بد دیانت، بے ضمیر اور عہد شکن ہے تو عوام میں سے ان کی طرف داری کرنے والے بھی ان تمام اخلاقی جرائم میں شریک ہیں۔

اس لیے جس کسی کو اپنے لیڈر اور جماعت کی اندھی حمایت کرنی ہے وہ سوچ سمجھ کر کرے۔ قیامت کے دن جب لیڈر پکڑا جائے گا تو اس کے ہر ہر حمایتی کو بھی بلا لیا جائے گا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ یہ شخص تمھاری وجہ سے طاقتور ہوا تھا۔ تم نے اس کے اخلاقی جرائم کے باوجود اس کی اندھی حمایت کیوں کی تھی؟

قیامت کی اس پکڑ سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ لوگ تعصب کی بنیاد پر نہیں، اصول کی بنیاد پر کسی لیڈر کی حمایت یا مخالفت کریں۔ سنی سنائی بات، جھوٹا پروپیگنڈا، کذب و افترا کے بجائے حقائق کی تلاش کریں۔ یہ نہیں کر سکتے تو خاموش رہیں۔ ورنہ اس کا امکان ہے کہ سیاسی معاملات پر رائے زنی کرتے ہوئے آپ اپنی آخرت کو برباد نہ کر بیٹھیں۔

سیاسی تعصب اور ہمارے حالات

تعصب اصلاً ایک فطری جذبہ ہے۔ یہ اپنے گروہ سے وابستگی کا نام ہے۔ چاہے یہ گروہ مذہبی ہو، تہذیبی ہو، لسانی، قومی یا سیاسی ہو، اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اسی کی بنیاد پر انسان سماجی مخلوق ہے اور اسی کی وجہ سے اجتماعی زندگی کا سارا حسن پیدا ہوتا ہے۔ مگر جب تعصب؛ وابستگی حق و باطل، صحیح و غلط اور خیر و شر سے بالاتر ہو جائے اور اپنے گروہ اور لیڈر کی اندھی عقیدت میں بدل جائے تو یہ انسان کو آخر کار ایک اخلاقی مجرم بنا دیتا ہے۔

اس حقیقت کو اگر سمجھنا ہے تو پاکستان کے موجودہ سیاسی حالات اس جرم میں مبتلا افراد کا بہترین تعارف کراتے ہیں۔ یہاں ہر گروہ کے لوگ اپنے لیڈروں کی عقیدت میں اندھے ہو چکے ہیں۔ اپنے لیڈروں کی ہر بے اصولی، ہر کرپشن، ہر اخلاقی کوتاہی، ہر موقع پرستی کو خوبصورت الفاظ میں چھپا دیا جاتا ہے۔ اپنی ہر اخلاقی آلودگی کا جواب دوسروں کے اخلاقی گند کو نمایاں کر کے دیا جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ خواتین کی حرمت کو بھی بے تکلف پامال کیا جاتا ہے۔

اس طرح کی بے ہودہ حرکتوں کی توجیہ کے لیے لوگوں نے ہزار جواز گھڑ رکھے ہیں۔ ہر گروہ نے اپنے لیڈروں کی بے اصولی، موقع پرستی اور کرپشن کو چھپانے اور دوسروں کے اِنھی جرائم کو نمایاں کرنے کو اپنا ہنر بنا رکھا ہے۔ یہ فن عام ایک زمانے میں سیاستدانوں اور سیاسی کارکنوں تک محدود تھا۔ مگر بدقسمتی سے اب سیاسی ٹاک شوز اور سیاسی کالم پڑھ کر عام لوگ بھی اپنی عقل اور اخلاقی حس کو ایک کونے میں رکھ کر اسی اندھے تعصب کا شکار ہو چکے ہیں۔

مگر یہ رویہ ایک اخلاقی جرم ہے جس کی سخت سزا ہے۔ اس کی سزا سے اگر بچنا ہے تو لوگوں کو ایک اصولی رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ وہ یہ کہ کرپشن ایک جگہ جرم ہے تو دوسری اور تیسری جگہ بھی جرم ہونا چاہیے۔ اگر شخصیت پرستی ایک پارٹی میں قابل مذمت ہے تو دوسری میں بھی ہونی چاہیے۔ اگر

ووٹوں کی خرید وفروخت ایک جگہ قابل نفرت عمل ہے تو دوسری جگہ بھی ہونا چاہیے۔ دوسرے لیڈر کی بے اصولی اگر غلط رویہ ہے تو اپنے لیڈر کی بے اصولی کو سیاسی بصیرت کا نام دینا بھی غلط ہے۔

پاکستانی قوم پچھلے ستر برسوں سے اپنے لیڈروں کے ہاتھوں بے وقوف بن رہی ہے۔ اس بے وقوف بننے کا اصل سبب ان کا اپنے لیڈروں سے یہی اندھا عشق ہے جو ان کے اندر تعصب کو بھر دیتا ہے۔ وہ اپنے لیڈر کی ہر غلط روش کی توجیہ کرتے ہیں۔ اس کے ہر غلط کام کا دفاع کرتے ہیں۔ اس کی ہر کرپشن، جھوٹ اور بے اصولی کے منکر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قدرت ان لیڈروں کی شکل ہی میں ان کو سزا دیتی ہے۔ ہمیں پچھلے ستر برسوں سے قدرت یہ سزا بدامنی، مہنگائی، بنیادی ضروریات کی عدم فراہمی، دہشت گردی، لوڈ شیڈنگ اور ان جیسے دیگر مسائل کی شکل میں دے رہی ہے۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ پاکستانی قوم نے ابھی تک اس سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ صرف ہوا یہ ہے کہ پرانے تعصب سے نکل کر لوگ نئے تعصّبات میں داخل ہو رہے ہیں۔ پرانے لیڈروں کی جگہ لوگ نئے لیڈروں کی بے اصولی پر شادیانے بجا رہے ہیں۔ پرانے لیڈروں کے بجائے لوگ نئے لیڈروں کی نفسیاتی غلامی میں جکڑے جا چکے ہیں۔ اس متعصّبانہ روش کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ سزا جاری رہے گی۔ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔

اس صورتحال سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ لوگ لیڈروں کے اندھے تعصب میں مبتلا ہونے کے بجائے اصولوں کی بنیاد پر رائے قائم کریں اور ہمیشہ حق کا ساتھ دیں۔ اپنا لیڈر بھی سیاسی خرید وفروخت کرے تو اس کی مذمت کریں۔ اپنا لیڈر بھی بے اصولی کرے تو اس پر تنقید کریں۔ اپنی پارٹی کی کمزوریوں کو دوسروں کی آڑ میں نہ چھپائیں۔ اس کے بعد ہی ہمارے حالات بہتر ہونے کی کوئی امید کی جا سکتی ہے۔ ورنہ ہماری بربادی بڑھتی رہے گی۔

خدا کا جواب

وہاٹس ایپ سماجی رابطے کی ایک معروف اپلیکیشن ہے۔ یہ ہر لحاظ سے بلا معاوضہ ہونے کے علاوہ اپنے اندر بعض ایسی خصوصیات رکھتی ہے جس کی بنا پر لوگ اسے زیادہ سے زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً بعض دوسری اپلیکیشن کے برعکس وہاٹس ایپ پیغام بھیجنے والے کو فوراً یہ بتادیتی ہے کہ اس کا پیغام پڑھ لیا گیا ہے۔ یہ چیز نہ صرف پیغام بھیجنے والے کے لیے باعث اطمینان ہوتی ہے بلکہ پیغام پڑھنے یا سننے والوں کو بھی آمادہ کرتی ہے کہ وہ جلد از جلد جواب دے۔ یہ وہ نفسیاتی اثر ہے جو پیغام بھیجنے اور سننے والے دونوں پر لازمی ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے حوالے سے یہ صاف صاف بتادیا گیا ہے کہ وہ نہ صرف ہر پکارنے والے کی صدا سنتے ہیں بلکہ فوراً ہی جواب بھی دیتے ہیں، (البقرہ 186:2)۔ اگر کوئی شخص واقعی مومن ہے تو پھر قرآن مجید کی یہ بات اس کی نفسیات پر بھی بہت گہرے اثرات ڈالتی ہے۔ ایسا مومن اپنا ہر مسئلہ اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کر کے مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کی فریاد سن لی گئی ہے اور فرشتوں کو حکم دے دیا گیا ہے۔

تاہم عام مشاہدہ قرآن مجید کے اس بیان کے برعکس محسوس ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کی بعض دعائیں ساری زندگی قبول نہیں ہوتیں۔ بعض کے مسائل ختم نہیں ہوتے اور ان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ بعض لوگوں کی دل پسند چیز اتنی دیر میں ملتی ہے کہ اس کا ملنا نہ ملنا برابر ہوتا ہے۔

اس حوالے سے کچھ باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔ اس کے بعد اس قسم کی ساری الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے اس بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب ضرور دیتے ہیں، لیکن ان کے فیصلے کے نفاذ میں ان کی حکمت کی بنا پر کچھ وقت لگتا ہے۔ وہ حکمت یہ ہے کہ وہ ایسا نہ کریں تو غیب کا پردہ اٹھ جائے گا اور امتحان ختم ہو جائے گا۔ اس

کے بعد کون خدا کا انکار کر سکے گا۔ چنانچہ امتحان کو برقرار رکھنے کے لیے وہ اپنے فیصلے کچھ بعد میں نافذ کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ ضروری نہیں کہ وہ ہمارا مسئلہ ہماری مرضی کے مطابق حل کریں۔ کیونکہ بارہا جو ہم مانگتے ہیں وہ ہمارے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کسی اور طریقے سے ہمارا مسئلہ حل کرتے ہیں۔ ہمیں وہ مل جاتا ہے جو ہمارے لیے بہت بہتر ہوتا ہے اور وہ ہماری دعا ہی کا نتیجہ ہوتا ہے مگر ہمیں اس کا پوری طرح شعور نہیں ہوتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہم لوگوں کے برعکس جو ہمیشہ فانی دنیا کو ترجیح دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ترجیح ابدی آخرت ہے۔ چنانچہ وہ ہر دعا کے جواب میں پہلے آخرت کے نفع کو دیکھتے ہیں۔ پھر وہاں سے جو بچتا ہے وہ دنیا میں دیتے ہیں۔ وہ یہ نہ کریں تو ہم آخرت میں بالکل مفلس اور قلاش ہو کر پیش ہوں گے اور جتنا اس دنیا میں پریشان ہوتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ روز حشر پریشان ہو رہے ہوں گے۔ چنانچہ پہلے وہ وہاں کے مسائل کو دیکھتے ہیں اور پھر دنیا کے مسئلے حل کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک بندہ مومن کو خدا سے مایوس ہوئے بغیر دعا مانگتے رہنا چاہیے۔ اسے وہاٹس ایپ کے ایک صارف کی طرح یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ جو کچھ اس کی زبان سے نکل کر بارگاہ اقدس میں پیش ہوا ہے، وہ لازماً سن لیا گیا ہے۔ اس کا کوئی میسیج ان ریڈ نہیں ہے۔ اور جس نے سنا ہے وہ بڑا کریم مگر اتنا ہی حکیم و علیم بھی ہے۔

اصل اطمینان اس پر ہونا چاہیے کہ خدا کے در کا فقیر کائنات کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اس کی ہر مانگ پوری ہوتی ہے، چاہے اس دنیا میں ہو یا اگلی دنیا میں۔ چاہے ایک طرح ہو چاہے دوسری طرح۔ یہی وہ یقین ہے جو ایک مومن کو نہ مایوس ہونے دیتا ہے نہ کسی اور کے در پر جانے دیتا ہے۔

تعصب کا مرض

تعصب ایک روحانی بیماری ہے جو انسان کو بہت زیادہ تکلیف دیتی ہے۔ یہ بیماری ہم میں سے ہر شخص کو کسی نہ کسی درجہ میں لاحق ہوتی ہے۔ مگر ہمیں اس کا اندازہ نہیں ہو پاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام حالات میں ہم اپنی پسند کے لوگوں میں رہتے ہیں، اس لیے ہمیں اس بیماری سے پہنچنے والی اذیت کا احساس نہیں ہوتا۔ مگر فیس بک پر اب ہر شخص کے سیکڑوں، ہزاروں فرینڈز ہوتے ہیں۔ ان کی کسی پوسٹ میں کوئی ایسی بات ہو جو ہمارے اپنے تعصّبات کے خلاف ہو تو یہ پوسٹ ہمیں ایک نوعیت کی اذیت میں مبتلا کر دیتی ہے۔

مثلاً ہمارا ایک تعصب مذہبی ہوتا ہے۔ ہم میں سے ہر مذہبی شخص شیعہ سنی، دیوبندی بریلوی، مقلد غیر مقلد اور اسی طرح کے دیگر فرقہ وارانہ اور نظریاتی تعصّبات کا اسیر ہوتا ہے۔ اب جیسے ہی ہمارے تعصب سے ہٹ کر کوئی چیز سامنے آئے ہم سخت اذیت میں آجاتے ہیں اور پھر ساری معقولیت بھول کر غصے اور ردعمل کا شکار ہو کر مختلف طریقوں سے اس کا اظہار کرتے ہیں۔

اسی طرح ہم لوگ مختلف سیاسی تعصّبات کے اسیر ہوتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی ہمارے تعصّبات کے خلاف کوئی پوسٹ ہم تک پہنچتی ہے، ہمیں ایک اذیت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جس کے بعد ہم ہر اخلاقی جامہ اتار کر اپنے ردعمل کا اظہار کر دیتے ہیں۔

ہمارا ایک اور تعصب لسانی اور صوبائی تعصب ہے۔ ہم پنجابی، پختون، بلوچ، سندھی، مہاجر، سرائیکی اور ان جیسے دیگر تعصّبات کے اسیر ہیں۔ جب ہمارے تعصب کے خلاف کوئی بات سامنے آجائے تو ہم ساری معقولیت کو کونے میں رکھ کر اپنے غصے اور جذبات کا اظہار شروع کر دیتے ہیں۔

اگر کسی بھی معاملے میں آپ کا رویہ یہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے تو آپ تعصب کے مرض کا شکار ہیں۔ اس کے بعد لاکھ الفاظ بول کر آپ اپنی حقانیت یا معقولیت ثابت کریں، باعتبار حقیقت آپ تعصب کے مریض ہیں۔ یہ مرض ایک روحانی مرض ہے جو انسان کو سچ اور عدل جیسی بنیادی

اخلاقی خوبیوں کا قاتل بنا دیتا ہے۔

ایک فرقہ پرست اور مذہبی انتہا پسند کے سامنے اس کے فرقے سے مختلف جب کوئی بات سامنے آتی ہے تو وہ عدل وانصاف کے سارے تقاضے بھول جاتا ہے۔ وہ جھوٹ، تاویل، الزام، بہتان کی ایسی گرد اڑاتا ہے کہ سچائی اس دھول میں چھپ کر رہ جاتی ہے۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے وہ خود کو بہت نیک سمجھ رہا ہوتا ہے، مگر اللہ کی نظر میں وہ ایک مجرم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وہ جیسے ہی مرے گا عذاب کے فرشتے اسے بتا دیں گے کہ وہ سچائی کا قاتل اور عدل کا دشمن تھا۔

ایک سیاسی متعصب شخص کا بھی یہی معاملہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے سیاسی لیڈر کے عشق میں مخالف فریق کی ذات، خاندان اور خواتین کی عزت کی دھجیاں بکھیرنا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔ مگر ایسا شخص جب مرے گا تو دیکھے گا کہ اپنے لیڈر کے عشق میں اس نے اپنی آخرت گنوادی۔

نسل پرست متعصب شخص کا بھی یہی المیہ ہوتا ہے۔ وہ سچائی کو اپنے قومی تعصب کی عینک سے دیکھتا ہے۔ جس کے بعد اسے کوئی دوسری سچائی نظر نہیں آتی۔ وہ دوسروں کو ظالم اور اپنے ہر ظلم کو عدل ثابت کرنے کی کوشش میں جھوٹ اور دروغ گوئی کی ہر حد پار کر جاتا ہے۔

تعصب کے اسیر لوگ بظاہر اصول پرست، نظریاتی اور خیر کے طلبگار بن کر معاشرے میں کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ لوگ سب سے بڑھ کر معاشرے میں فساد پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اگر اخلاقی طور پر پست نہ ہوں تو کسی کے سمجھانے سے اپنی تعصب کی دنیا سے نکل آتے ہیں۔ مگر اخلاقی پستی ان کا احاطہ کر لے تو پھر اِس دنیا میں تعصب کی بیماری اور آنے والی دنیا میں جہنم کی آگ ان کی زندگی عذاب بنا کر رکھ دے گی۔

بندہ مومن کبھی متعصب نہیں ہوتا۔ وہ ہر چیز کو عدل کے ساتھ دیکھتا اور انصاف کی بات کہتا ہے چاہے وہ اس کے نظریات اور پسند کے کتنے ہی خلاف ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں گے۔

سلسلہ روز و شب

ابو یحییٰ

پاکستان کے عروج کا راستہ

ڈاکٹر عشرت حسین بین الاقوامی شہرت کے حامل ایک مایہ ناز ماہر معیشت ہیں۔ وہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے سابقہ گورنر اور آئی بی اے، کراچی جیسے اعلیٰ تعلیمی ادارے کے ڈائریکٹر رہے ہیں۔ دو عشرے تک ورلڈ بینک میں کام کرنے کے علاوہ وہ اس وقت بھی کئی ملکی اور عالمی اداروں کے لیے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں انھیں ہلال امتیاز کے علاوہ پاکستان کا سب سے بڑا سول اعزاز نشان پاکستان بھی مل چکا ہے۔

Governing the Ungovernable

حال ہی میں ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب Governing the ungovernable کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ بعض پہلوؤں سے یہ پاکستان کے مسلسل قومی زوال اور بحران کا انتظامی پہلو سے ایک بہت عمدہ جائزہ ہے۔ ہر وہ شخص جو سنجیدگی کے ساتھ پاکستان کے مسائل کا حل چاہتا ہے، اسے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ناشر یعنی آکسفورڈ یونیورسٹی پریس جلد ہی اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کرے کیونکہ ملک کی اکثریت اردو زبان میں اس کے مضامین کا بہت بہتر انداز میں احاطہ کرسکتی ہے۔

اس کتاب کا بنیادی مقدمہ اس حقیقت کی بنیاد پر رکھا گیا ہے کہ پاکستان نے اپنی آزادی کے بعد ابتدائی چالیس برسوں میں تمام تر مسائل کے باوجود زبردست ترقی کی تھی۔ آزادی کے فوراً بعد پاکستان کے پاس ترقی کے لیے کوئی زرعی یا صنعتی بنیاد، کوئی انفراسٹرکچر موجود ہی نہیں تھا۔ پھر 1947 سے 1990 کے عرصے میں پاکستان کو ہندوستان کے ساتھ جنگوں، مشرقی پاکستان کی

علیحدگی، بھٹو صاحب کی تباہ کن نیشنلائزیشن کی پالیسی، جنرل ضیاالحق کے زمانے کی افغان جنگ اور اس کے تباہ کن نتائج جیسے اسلحہ کی فراوانی، منشیات اور انتہا پسندی وغیرہ کا سامنا رہا۔ مگر ان سب کے باوجود ملک معاشی ترقی کی دوڑ میں دنیا کے دس تیز ترین ترقی کرنے والے ترقی پذیر ممالک میں شامل رہا۔ اس عرصے میں چین اور بھارت جیسے ممالک ہم سے بہت پیچھے تھے۔

مگر اس کے بعد 1990 کی دہائی سے ترقی کا یہ عمل نہ صرف رکتا ہے بلکہ معاشی طور پر ہم مسلسل زوال کا شکار ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس وقت جو صورتحال ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ ڈاکٹر عشرت حسین نے اس کتاب میں اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ ہماری تاریخ کے اس دوسرے دور میں ہمارے زوال کی وجہ کیا ہوئی۔ انھوں نے اپنی کتاب میں ان مقبول عام تصورات کی نفی کی ہے جن کو پاکستان کے اس زوال کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ جیسے فوج کا اقتدار پر قبضہ، غیر ملکی امداد کا بند ہونا، دہشت گردی اور بیرونی خطرات، بین الاقوامی معاشی حالات کے اثرات اور انڈیا کے ساتھ دشمنی کی بنا پر دفاعی اخراجات کا بڑھنا وغیرہ۔

ان کے نزدیک ہمارے زوال کی اصل وجہ ان قومی اداروں کا زوال ہے جنھوں نے پہلے دور میں پاکستان کی ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا۔ جیسے پی آئی ڈی سی جس نے ملک میں صنعتوں کا جال بچھا دیا۔ جو لوگ صنعتیں لگانا چاہتے انہیں پکک (PICIC) اور آئی ڈی پی پی جیسے ادارے قرض دے دیتے۔ یوں ملک صنعتی طور پر تیزی سے آگے بڑھا۔ پھر پلاننگ کمیشن پاکستان نے ملک کی ترقی کے لیے بڑے بڑے منصوبے بنائے۔ یہ وہ منصوبے تھے جن کو بعض دیگر ممالک جیسے کوریا وغیرہ نے ساٹھ کی دہائی میں اپنے ہاں استعمال کیا اور غیر معمولی ترقی کی۔ پھر ایگریکلچرل ڈیویلپمنٹ کارپوریشن جیسا ادارہ جس نے زرعی ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ایک اور مثال پی آئی اے کی ہے جس کا اپنا شمار نہ صرف دنیا کی بڑی ایئر لائنز میں ہوتا تھا بلکہ اس نے کئی ایسی ایئر

لائن کی بنیاد رکھی جیسے امارات یا سنگاپور کی فضائی کمپنیاں جواب دنیا کی بہترین ایئر لائن سمجھی جاتی ہیں۔

اس کے بعد نوے کی دہائی میں سیاسی حکومتوں نے اپنے مفادات کے خاطر سول سروس کے انتظامی ڈھانچے کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ میرٹ کے بجائے پارٹی سے وابستہ یا ذاتی وفاداری کی بنیاد پر تقرریاں شروع ہوئیں اور اپنی پسند و ناپسند کو معیار بنا کر افسران کی تقرریاں ہوئیں تو ادارے تباہ ہو گئے۔ چنانچہ ان کے نزدیک مسئلے کا حل یہی ہے کہ ادارہ جاتی اصلاحات کی جائیں۔ یہ ادارے ہی ہیں جن کی دوبارہ بحالی ملک کو ترقی کے راستے پر دوبارہ لا سکتی ہے۔ کیونکہ قومی سطح کے یہی وہ ادارے تھے جنھوں نے پہلے دور میں پاکستان کی ترقی میں غیر معمولی کردار ادا کیا تھا اور ان کے بغیر ترقی کا سفر ممکن نہیں ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے دو درجن کے قریب اداروں کی نشاندہی کی ہے کہ جن کو میرٹ، شفافیت اور اعلیٰ کارکردگی کا نمونہ بنا دیا جائے تو ان کے اثرات سے باقی جگہوں پر آہستہ آہستہ بہتری آتی چلی جائے گی۔

کتاب کے آخر میں انھوں نے سیاسی جماعتوں سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ ان کی اس تجویز کو اپنی سیاسی وابستگی سے بالاتر ہو کر قبول کریں کیونکہ جو سیاسی جماعت بھی اقتدار میں آئے گی یہ اصلاحات آخر کار اس کے لیے بھی بہتر ثابت ہوں گی۔

ہمارا ہمہ گیر قومی زوال

ہم نے کوشش کی ہے کہ کتاب کے بنیادی نکات کا احاطہ کر لیا جائے تا کہ جو لوگ کتاب پڑھنے کا موقع نہ پائیں وہ کم از کم اس کے اصل پیغام اور استدلال سے واقف ہو سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان جیسے ملک میں جہاں علم و دانش کی روایت بڑی حد تک مردہ ہو چکی ہے، یہ ضروری ہے کہ کوئی مفید اور تعمیری علمی کام سامنے آئے تو اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک متعارف کرانا

چاہیے۔اس وقت تو صورتحال یہ ہے لوگ جلسوں اور ٹی وی کے ٹاک شوز میں سیاستدانوں کی تقریریں سنتے اور اخبارات میں صحافیوں کے تنقیدی کالم پڑھتے پڑھتے بے زار ہو چکے ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ الزام و بہتان سے ہٹ کر تحقیق پر مبنی کوئی تعمیری اور مثبت بات بھی لوگوں تک پہنچائی جائے۔

تاہم اس حوالے سے کچھ اور چیزیں ہیں جن کا بیان اس موقع پر ضروری ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ قوموں کا عروج و زوال اس خاکسار کی دلچسپی کا خصوصی موضوع رہا ہے اور اس حوالے سے اس کی ایک کتاب ''عروج و زوال کا قانون اور پاکستان'' شائع بھی ہو چکی ہے۔

اس عاجز کے نزدیک کسی قوم کا عروج و زوال معاشی ترقی کے پیمانے پر نہیں ناپا جا سکتا۔ ہاں یہ ایک اشاریہ یا انڈیکیٹر ضرور ہوتا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ زندگی کے اس اہم اور بنیادی مسئلے کا جواب دینے کی قوم میں کیا صلاحیت ہے۔ اس پہلو سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ڈاکٹر صاحب کی کتاب اس پہلو سے بڑی قیمتی ہے کہ وہ تحقیق اور حقائق کی بنیاد پر یہ بتاتی ہے کہ ہم اس وقت قومی زوال کی کس سطح کو چھو رہے ہیں اور اس کے بعض بنیادی اور اہم اسباب کیا ہیں۔

تاہم حقیقت یہ ہے کہ ہمارا زوال ہمہ گیر نوعیت کا ہے جس کا تعلق کسی ایک میدان سے نہیں بلکہ ہم مکمل قومی زوال کا شکار ہیں۔ معاشی ترقی میں پیچھے رہ جانا تو اس کا ایک اظہار ہے۔ باقی شعبہ ہائے زندگی میں بھی ہمارا معاملہ کچھ مختلف نہیں۔ آپ کھیلوں کو لے لیجیے۔ایک زمانہ تھا جب پاکستان کرکٹ، ہاکی، اسکواش اور بعض دیگر شعبوں میں دنیا بھر میں سب سے آگے تھا۔اس وقت نہ کھلاڑیوں کے پاس یہ وسائل تھے نہ انھیں اپنی فیلڈ میں اتنا پیسہ ملتا تھا جتنا آج ملتا ہے۔ میری یادداشت اگر غلطی نہیں کر رہی تو نوے کی دہائی کی ابتدا میں پاکستان کے پاس دنیا کے چار کھیلوں کے ورلڈ چیمپئین کے اعزازات تھے۔یہی معاملہ فنون لطیفہ کا ہے۔ پاکستانی فلم، موسیقی، ڈرامے،

ادب، شاعری سب جگہ آپ دیکھیے کہ نوے کی دہائی تک آپ کو بڑے بڑے لوگ اور شاہکار نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد ایک دم سے زوال نظر آئے گا۔ خود سیاست کا معاملہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ آج کے سیاستدانوں کو قدم قدم پر آزادی صحافت کی بنا پر پرنٹ، الیکٹرونک میڈیا اور اب سوشل میڈیا کی بھرپور تائید حاصل ہے۔ انھیں کسی قسم کے سیاسی جبر کا سامنا بھی نہیں۔ لیکن نوے تک کے سیاستدانوں کے پاس ان میں سے کوئی سہولت موجود نہ تھی۔ مارشل لا کا جبر، کوڑے، جیلیں اور سماج سے کسی قسم کی تائید نہ ہونے کے باوجود ان کی بصیرت، شائستگی، دیانت یقیناً آج کے سیاستدانوں سے بہت بہتر تھی۔

ایک اور اہم میدان تعلیم کا ہے۔ ہمارا تعلیم کا بجٹ پہلے کے مقابلے میں کافی بہتر ہے۔ پرائمری سے لے کر پی ایچ ڈی تک تعلیم یافتہ افراد کی تعداد بھی بڑھی ہے۔ مگر معیار تعلیم کس درجہ کا پست ہو چکا ہے، یہ ایک معلوم حقیقت ہے۔ دنیا بھر میں ہماری ڈگریاں ناقابل اعتماد ہیں۔ ہمارا نظام تعلیم یا تو نقل پر استوار ہے یا پھر رٹے پر۔ جبکہ اس سے پہلے تعلیم کی شرح یقیناً کم تھی مگر معیار نسبتاً بہت بہتر تھا۔ یہی کم و بیش زندگی کے ہر شعبے کا معاملہ ہے۔

یہ ہے وہ اصل بات جسے ہمیں سمجھنا چاہیے کہ ہمارا زوال ہمہ گیر ہے۔ صرف معاشی زوال کو ٹھیک کرنے سے یقیناً ایک شعبہ زندگی بہتر ہوگا۔ جیسا کہ پرویز مشرف کے دور میں ہوا تھا۔ مگر یہ امکان موجود رہے گا کہ ترقی کا یہ عمل کسی بھی وجہ سے رک جائے اور صورتحال اس سے زیادہ خراب ہو جائے جتنی پہلے تھی۔ یہ سب ہم جنرل پرویز مشرف کے دور کے بعد دیکھ چکے ہیں۔

قومی زوال کی دو اقسام

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ہمہ گیر زوال کا سبب کیا ہے اور اس کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں یہ خاکسار سب سے پہلے ایک مثبت بات سامنے رکھنا چاہے گا جو اس

نے اپنی کتاب عروج وزوال کا قانون میں بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ قوموں کے زوال کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک زوال وہ ہوتا ہے جو کسی قوم کو اپنی مرحلہ زندگی کے اختتامی مراحل میں پیش آتا ہے۔ ایک فرد کی طرح قوم بھی اپنی زندگی کے مختلف مراحل سے گزر کر اپنے فطری اختتام تک پہنچتی ہے۔ جب یہ مرحلہ آجائے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس قوم کو تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ اس کے بعد بیشتر قوموں کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ کسی وجہ سے اس کا وجود ختم نہ بھی ہو تو وہ بس اپنے درخشندہ ماضی کا ایک بدنما سایہ بن کر کسی بڑی طاقت کے زیرِ سایہ بمشکل اپنا وجود برقرار رکھتی ہے۔

خوش قسمتی سے پاکستان کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ ہم زوال کی ایک دوسری قسم کا شکار ہیں جو قوموں کو اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں بھی لاحق ہو جاتا ہے۔ ہم بھی اپنی قومی زندگی کے ابتدائی دور میں ہیں۔ ہماری مثال اس نوجوان کی ہے جسے شدید قسم کے مرض لاحق ہو جائیں۔ ان امراض کا علاج نہ کیا جائے تو یہ موت یا معذوری کا باعث بن سکتے ہیں۔ لیکن درست علاج کر دیا جائے تو قوم دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر دنیا میں ایک قائدانہ کردار ادا کر سکتی ہے۔

ہمارا اصل مرض اور اس کی وجہ

اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا مرض ہے جو ہمیں لاحق ہوا ہے اور کیوں لاحق ہوا ہے۔ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہماری تمام خرابی کی وجہ ہمارا اخلاقی زوال ہے۔ یہ وہ مرض ہے جو کسی قوم کو زندگی کے کسی بھی مرحلے پر لاحق ہو جائے، اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ ہمیں یہ مرض لاحق ہونے کی وجہ یہ بنی کہ آزادی کے بعد ہماری فکری قیادت نے قوم کی اخلاقی تربیت اور فکری تطہیر کا کام چھوڑ کر سیاست کے عملی میدان کو اپنی دلچسپی کا موضوع بنا لیا۔ سیاست اچھے اچھے لوگوں کا اخلاق خراب کر دیتی ہے۔ سیاست میں اخلاق آخری چیز ہوتی ہے جس کی کوئی حیثیت ہوتی ہے۔

ہم ہرگز یہ نہیں کہہ رہے کہ سیاستدانوں کو اخلاقی اصولوں سے بے نیاز ہونا چاہیے۔ سیاست کو بھی اخلاقی اصولوں کا پابند ہونا چاہیے اور اس کے لیے بھرپور جدوجہد کرنی چاہیے۔ مگر یہ جدوجہد آپ سیاست کے میدان میں اتر کر نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے آپ کو سیاست سے باہر رہ کر معاشرے میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کو رواج دینا پڑتا ہے۔ لوگوں کی نگاہ میں اخلاقی اقدار کو سب سے اہم بنانا پڑتا ہے۔ مگر جب حال یہ ہو کہ عوام خود اپنے عمل میں اخلاقی تصورات کی خلاف ورزی کرتے ہوں تو پھر سیاستدانوں کو جن کے پاس ساری طاقت، پیسہ اور اقتدار ہوتا ہے، کس طرح اخلاقی اصولوں کا پابند بنایا جاسکتا ہے۔ ایسے میں جو شخص کوئلے کی اس کان میں اترے گا اس کے دامن پر بہرحال سیاہی لگے گی۔ خاص کر ایسے معاشرے میں جہاں بیشتر لوگوں کے دامن داغدار ہوں اور دامن کا داغدار ہونا کوئی عیب بھی نہ سمجھا جائے۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ ہماری فکری قیادت نے عوام کی تربیت کا میدان چھوڑ کر سیاست کا راستہ اختیار کر لیا۔ عوام میں اگر کوئی تربیتی کام کیا بھی تو صرف منفی سوچ پھیلانے کا کام کیا۔ یعنی مغرب سے نفرت، حکمرانوں سے نفرت، طاقتور طبقات سے نفرت پھیلانے کا کام۔ نفرت پھیلانے کا عمل انسان کو صرف یہ درس دیتا ہے کہ دوسرے غلط ہیں انھیں ٹھیک ہونا چاہیے۔ اس کے بعد انسان کی توجہ اپنی طرف نہیں رہتی۔ وہ اپنی اصلاح نہیں کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف ہمارا معاشرہ اجتماعی اخلاقی زوال کا شکار ہوا اور دوسری طرف اس زوال سے بروقت متنبہ کرنے والی فکر و دانش کی کوئی روایت معاشرے میں موجود ہی نہ تھی۔ یہ زوال آگے بڑھا تو اپنے ساتھ تربیت کے روایتی ادارے بھی بہا کر لے گیا۔ ہمارے تربیت کے تمام ادارے ایک ایک کر کے اپنا کام چھوڑتے چلے گئے۔ جیسے والدین، اساتذہ، علما، دانشور وغیرہ۔ اور اس زوال کے ساتھ منفی سوچ کے فروغ نے معاشرے میں اپنی اپنی اصلاح کا داعیہ بالکل ختم

کردیا۔ ہر شخص کے لیے اصلاح کا مطلب دوسرے کی اصلاح بن گیا۔ ہر شخص اپنی آنکھ کا شہتیر بھول کر دوسروں کی آنکھ کا تنکا ڈھونڈنے میں مصروف ہو گیا۔

جب اخلاقی زوال شروع ہوتا ہے تو اس کا بنیادی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اعلیٰ شخصیات سامنے آنا بند ہو جاتی ہیں۔ اعلیٰ شخصیات، بااصول شخصیات، قومی تعمیر کا کام کرنے والی شخصیات، قربانی دینے والی شخصیات، اصلاً اعلیٰ اخلاقی شخصیات ہوتی ہیں۔ جب اخلاقی اقدار نے اپنی قدر کھوئی تو ایسی شخصیات بھی ناپید ہو گئیں۔ یہی وہ بات ہے جو ڈاکٹر عشرت العباد نے اپنی کتاب میں کہی ہے۔ یعنی ادارے کو وہ لوگ ملنا بند ہو گئے جو معاملات کو اصول اور میرٹ پر چلاتے تھے۔ اب صرف وہی لوگ باقی رہ گئے ہیں جو اپنے مفادات کے لیے کرپشن، اقربا پروری، بے اصولی، قانون کی خلاف ورزی کو اپنا چلن بنا لیتے ہیں۔ جس کے بعد اداروں نے تباہ ہونا ہی تھا۔

کرنے کا کام

تاہم جیسا کہ پیچھے عرض کیا کہ پاکستان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ یہ اپنی قومی زندگی کے ابتدائی دور میں ہے۔ اس دور میں قوموں میں اعلیٰ افراد اسی طرح خود بخود پیدا ہوتے ہیں جس طرح ایک نوجوان میں نیا خون خود ہی بن رہا ہوتا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ معاشرے میں موجود ان زندہ افراد کی اعلیٰ اخلاقی تربیت کی جائے۔ اخلاقی اقدار، اصول اور شائستگی پر مبنی اعلیٰ رویوں کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔ اس کے ساتھ چار سو پھیلی مایوس اور منفی سوچ سے نوجوانوں کو بچایا جائے۔ غیر ضروری جذباتیت کا اسیر ہونے سے روکا جائے۔ انتہا پسندی، نفرت اور تعصب کے زہر سے بچاتے ہوئے عملیت، معقولیت، اعتدال اور صبر و برداشت کی طرف بلایا جائے۔ لوگوں کو جلد بازی اور فوری تبدیلی کے ناقابل تعبیر خواب دکھا کر مزید مایوس کرنے کے بجائے ایک طویل صبر آزما جدوجہد پر آمادہ کیا جائے۔

ہماری قبل از آزادی کی تاریخ کے بدترین دنوں میں تین عظیم فکری رہنماؤں نے یہ کام کیا ہے۔ان کے کام کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی کتاب عروج وزوال کا قانون اور پاکستان میں کیا ہے۔ یہ لیڈر شاہ ولی اللہ، سرسید احمد خان اور علامہ اقبال ہیں۔ پاکستانی قوم اصلاً انھی تینوں کا فکری پروڈکٹ ہے۔ بدقسمتی سے ان تین بزرگوں کی قومی رہنمائی کا تسلسل بعد از آزادی جاری نہیں رہ سکا۔لیکن آج ہمارے نوجوانوں میں سے کچھ لوگ بھی اگر قربانی اور ایثار کے جذبے سے کام لے کر ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کا عزم کر لیں اور مثبت بنیادوں پر قومی رہنمائی کے کام کو اپنی زندگی بنالیں تو پاکستانی قوم بیس برس میں بہت ترقی کرسکتی ہے۔اگر ایسا نہیں ہوا اور نفرت، انتہا پسندی، جذباتیت، بے اصولی، مفاد پسندی اور صرف اپنی ذات کی تعمیر ہی معاشرے کا چلن رہی تو پھر ایک عظیم تباہی ہماری منتظر ہے۔

جہاں رہیے اللہ کے بندوں کے لیے باعث زحمت نہیں، باعث رحمت بن کر رہیے۔

مولانا وحید الدین خان

صورت یا سیرت

اکثر نوجوان یہ خواب دیکھتے رہتے ہیں کہ ان کو خوبصورت بیوی مل جائے مگر یہ صرف ایک نادانی کی خواہش ہے۔ نام نہاد خوب صورت عورت اکثر پر مسائل بیوی (problem wife) ثابت ہوتی ہے۔ ایسی عورت کی دل کشی صرف چند دن کی ہوتی ہے اور اس کے بعد سارا جنون ختم ہو جاتا ہے- حقیقت یہ ہے کہ نکاح کے معاملے میں آدمی کو اصل اہمیت سیرت کو دینا چاہئے جو عورت سیرت میں اچھی ہو، وہی سب سے اچھی بیوی ہے۔

فرینکفرٹ یونیورسٹی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر جان نے ایک جائزے میں بتایا کہ زیادہ خوبصورت لڑکیاں عام طور پر زندگی میں ناکام رہتی ہیں۔ دل کش عورتیں سمجھتی ہیں کہ خوبصورتی ان کا واحد سرمایہ ہے اور بڑھاپے کو وہ برداشت نہیں کر سکتیں۔ میری لین مانرو، جو ہالی وڈ کی ایک انتہائی خوب صورت عورت تھی، کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت بری طرح رونے لگی، جب اس نے آئینے میں پہلی بار اپنے چہرے پر جھریوں کے نشانات دیکھے۔

جس آدمی کو پر کشش عورت نہ ملے، وہ زیادہ خوش قسمت ہے کیونکہ غیر پر کشش عورت عملی زندگی میں زیادہ بہتر رفیق ثابت ہوتی ہے۔ نکاح کا مقصد ایک نسوانی کھلونا حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ نکاح کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو ایک کار آمد رفیقہ حیات مل جائے اور بہتر رفیقہء حیات وہی ہے جو سیرت کے اعتبار سے بہتر ہو، نہ کہ صرف صورت کے اعتبار سے بہتر۔ یہ تجربہ اتنا عام ہے کہ ہر آدمی اپنے قریب کے لوگوں میں اس کی مثالیں دیکھ سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے اندر چیزوں کو حقیقت پسندانہ انداز سے دیکھنے کی صلاحیت موجود ہو۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم/محمود مرزا

مثبت اندازِ فکر اختیار کرنے کا فن

مثبت اندازِ فکر ایک ایسا ہتھیار ہے جس کی مدد سے اپنی اور دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ درج ذیل چند ترکیبیں مثبت سوچ کو ہمارے اندر پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔

1۔ لوگوں کے ساتھ معاملات اور تعلقات میں کسی غلط فہمی یا بدمزگی کے موقع پر ہمیشہ حسنِ ظن سے کام لینا چاہیے۔ اگر کسی کی بات یا عمل کی مثبت توجیح ہو سکتی ہے تو پھر ضروری ہے کہ ایسا ہی کیا جائے، بجائے اس کے کہ منفی سوچ اور بدگمانی سے اپنی ہی شخصیت میں اضطراب پیدا کر دیا جائے۔

2۔ لوگوں کی خامیوں پر تنقید کرنے کے بجائے ان کی خوبیوں کو سراہیں۔ تنقید کی سب سے زیادہ ضرورت خود ہمیں ہوتی ہے۔ ہمیں دوسرے لوگوں، بالخصوص وہ جو ہم سے چھوٹے ہیں یا ہمارے ماتحت ہیں، ان کی خوبیوں اور اچھائیوں کی تعریف اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔

3۔ مثبت اندازِ فکر پر قائم رہنے کا ایک اور نفسیاتی طریقہ یہ ہے کہ ہم جس قدر ممکن ہو اپنی گفتگو میں منفی جملوں کے استعمال سے گریز کریں اور زیادہ سے زیادہ مثبت جملے استعمال کرنا شروع کریں۔

4۔ بارہا ایسا ہوگا کہ ہم اس کوشش میں ناکام ہوں گے، لیکن اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے ہمیں مکمل صبر اور استقامت کے ساتھ اپنی کوشش جاری رکھنی ہوگی،

5۔ ہمیں چاہیے کہ جب بھی ہمارے ذہن میں کوئی منفی سوچ یا منفی خیال آئے، ہم فوراً اللہ تعالیٰ کی دی گئی نعمتوں کو گننا شروع کر دیں۔ اس کے نتیجے میں ہم باآسانی ہر اس مسئلہ یا پریشانی کو بھولنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو ہمیں درپیش ہے۔ کیونکہ اس عمل سے ہمیں یہ احساس ہوگا کہ ہمارے پاس موجود نعمتیں ان محرومیوں سے کہیں زیادہ ہیں جن پر ہم کڑھ رہے ہوتے ہیں۔

مولانا محمد تہامی بشر علوی

بن سمجھے تلاوت، ایک منفی رویے کی اصلاح

آپ سے یہ سنا کہ قرآن بن سمجھے پڑھنے سے اجر نہیں ملتا تو میں نے قرآن پڑھنا ہی چھوڑ دیا۔ اب اس کا گناہ بھی آپ پر ہی ہے۔

عرض کیا: میرے ذمے یہ نہیں کہ خودساختہ تراکیب سے کسی نہ کسی طرح آپ سے قرآن کہلوادوں۔ میرے ذمے بس یہ ہے کہ بس یہ بتادوں کہ خود خدا نے یہ قرآن کس مقصد کے لیے نازل فرمایا اور اس نے کس کو کس عمل کا اجر دینے کا بتا رکھا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ رب نے قرآن مجید کو تدبر اور ہدایت اخذ کرنے کے لیے بھیجا ہے کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں مومنین کو بن سمجھے پڑھتے رہنے کی ترغیب دی گئی ہو یا اس طرح پڑھنے پر اجر کی ضمانت دی گئی ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی امت کو ایسی کوئی تعلیم نہیں دی جس سے یہ معلوم ہو کہ خدا عجمیوں سے محض تلاوت کو کافی جانتا ہے اور اسی پر اجر دینے کا فیصلہ کیے ہوئے ہے۔ ایسی صورت حال میں، میں خدا کی طرف سے ہرگز یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ وہ بن سمجھے قرآن پڑھنے کی ترغیب دیتا یا اجر کی خوشخبری سناتا ہے۔ آپ اگر خدا اور اس کے دین کے لیے واقعی سنجیدہ ہیں تو اس کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ اصل حقیقت جان کر آپ پڑھنا چھوڑ دیتے۔ یہ ایک دوسرا منفی اور غلط رویہ ہے۔

درست رویہ یہ تھا کہ آپ قرآن حکیم پر تدبر کی ترکیب بناتے اور سمجھ کر پڑھنے کا بندوبست کرتے۔ سوچیے اگر آپ عمر بھر بن سمجھے پڑتے رہے اور کل خدا یہ کہے کہ میں نے تو ایسی کوئی ترغیب نہیں دی تھی میں نے یہی کہا تھا کہ اس کو سمجھو اور اس سے ہدایت حاصل کرو۔ تب آپ کا جواب کیا ہوگا؟ میں اس وقت کے اس سوال کے جواب کو سامنے رکھ کر پھر یہی کہتا ہوں کہ خدا

نے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی کہ قرآن بن سمجھے پڑھنے کا رواج بنالیا جائے۔اس کا مطالبہ یہی ہے کہ مومنین قرآن پر تدبر کی نگاہ ڈالیں اوراس کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی سنواریں اور خدا کے مطلوب انسان بن کر خدا کے انعام کے مستحق بن جائیں۔دین کو سرسری لینا اورا سے رسمی امور بجالانے تک محدود کر لینا انسانوں کا نکالا ہوا چور دروازہ ہے۔نفس وابلیس کی اس سازش کا سامنا ترک قرآن سے نہیں بلکہ اس کی آیات میں تدبر کر کے کیا جانا چاہیے۔ایسے میں یہ مطالبہ نہیں کیا جانا چاہیے کہ ہمیں تدبر کی ذمہ داری سے آگاہ نہ کیا جائے بلکہ یہ مشورہ کیا جانا چاہیے کہ ہم خود ساختہ رسمی تلاوت سے تدبر کی تلاوت کی طرف کیسے آجائیں، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل طریقہ تھا۔

عامر خاکوانی

مائنڈ میپ

ٹونی بزان عالمی شہرت یافتہ مائنڈ ایکسپرٹ، مائنڈ میپ کے بانی، سپیڈ ریڈنگ اور میموری کے حوالے سے ڈیڑھ سو کے قریب کتابوں کے مصنف ہیں۔ٹونی بزان کا سب سے بڑا کام مائنڈ میپ (Mind Map) کی ایجاد ہے۔انسانی دماغ پر اپنی ریسرچ سے ٹونی کو اندازہ ہوا کہ انسانی دماغ امیج کی شکل میں سوچتا اور یادرکھتا ہے۔انسانی دماغ درخت کے انداز میں کام کرتا ہے، جس کی شاخیں دائیں بائیں پھیلی باہر کو نکلی ہوتی ہیں اور ہر شاخ سے مزید شاخیں پھوٹتی ہیں۔ٹونی نے مائنڈ میپ کو اسی انداز میں تیار کیا۔کسی بھی ایشو پر غور کرنا ہو، یاد کرنا، سوچنا ہو، اس کے حوالے سے ایک درخت سا بنالیا جائے، طریقہ آسان ہے۔۔۔۔اے فور سائز کا سفید صفحہ لے لیں، درمیان میں ایک چھوٹا بیضوی سا دائرہ بنالیں، اس پر جس بارے میں سوچنا ہو، اس کے حوالے سے کوئی تصویر یا امیج بنالیں۔مائنڈ میپ کے اصول کے مطابق سینٹر میں امیج ہونا ضروری ہے(مشہور اصول یادرکھیں کہ ایک تصویر ہزار لفظوں کے برابر ہوتی ہے۔) پریکٹس کی ابتدا میں امیج نہیں مل سکا تو دائرے میں اس چیز کے حوالے سے ایک لفظ لکھ دیں۔مائنڈ میپ کے تین چار بنیادی اصول ہیں۔اسی بیضوی دائرے سے مختلف شاخیں (موٹی لکیریں) نکلیں گی، ہر شاخ پر کوئی خاص پوائنٹ لکھنا ہے، کہیں پر بھی لفظ ایک سے زائد نہ ہو، مختلف شوخ رنگ جیسے سرخ، سبز، نیلا، گلابی، پیلا وغیرہ استعمال کیے جائیں۔دماغ ایک لفظ پر مشتمل پوائنٹ، رنگوں اور تصاویر کو اچھے طریقے سے شناخت کرتا اور یادرکھتا ہے۔مائنڈ میپ میں تمام شاخیں یعنی لکیریں موٹی سے پتلی ہوتی جائیں گی، جیسے درخت میں ہوتا ہے۔کوئی لکیر سیدھی نہیں ہوگی کہ دماغ سٹریٹ ٹیکسٹ کو زیادہ دیر یادنہیں رکھ سکتا۔انسانی دماغ کا نیچرل سٹائل ہلکی سی قوس نما لکیر سے ملتا ہے، درخت

کی تصویر ذہن میں لے آئیں۔ اس طرح شاخ در شاخ تقسیم کرتے جائیں۔ اپنے خیالات، پوائنٹس ایک شاخ میں اور پھر اس سے نکلتی چھوٹی شاخوں پر لکھتے جائیں۔

یوں ایک اے فور (A4) سائز کے کاغذ میں پورے پورے پروجیکٹ کے مائنڈ میپ بن جاتے ہیں۔ کئی سو صفحات کی کتاب پڑھنے کے بعد اس کے بنیادی نکات پر مشتمل ایک مائنڈ میپ بنا لیا جائے تو وہ ذہن میں محفوظ ہوسکتی ہے اور وہ مائنڈ میپ کسی فائل میں رکھ لیا جائے تو اگلی بار اس کتاب کا خلاصہ چند منٹوں میں جان لیا جائے گا۔ دلچسپی رکھنے والے نیٹ پر مائنڈ میپ کے بارے میں مزید ریسرچ کر سکتے ہیں۔ تجربات سے یہ بھی پتا چلا کہ اس طریقہ سے نہ صرف انسانی دماغ زیادہ بہتر اور منظّم انداز میں سوچ اور کام کر سکتا ہے بلکہ تخلیقی صلاحیتیں بھی نمو پاتی ہیں۔ ٹونی بزان نے مائنڈ میپ کی طرح سپیڈ ریڈنگ تکنیکس بھی ایجاد کی ہیں، جن کی مدد سے پڑھنے کی رفتار دو تین گنا تیز ہو جاتی ہے۔

ٹونی بزان پاکستانیوں کا نہ صرف مداح ہے بلکہ بابے نے اتنے منطقی دلائل کے ساتھ یہ بات ثابت کی ہے کہ سچ مچ اپنا ملک زیادہ اچھا لگنے لگا ہے۔ اقبال کا وہ مداح ہے، علامہ کی شاعری انگریزی میں پڑھ رکھی ہے، اقبال کے شاہین کے تصور نے خاص طور پر ٹونی بزان کو متاثر کیا۔ کہتے ہیں، پاکستان کے بانی محمد علی جناح (قائداعظم) بہت بڑے لیڈر تھے۔ پاکستان آنے سے پہلے ہر ایک نے ٹونی بزان کو ڈرایا کہ وہاں نہ جاؤ، خطرہ ہے، ہر طرف دہشت گرد ہیں، جو سکول کے بچوں تک کو نہیں چھوڑتے، گندگی اور بو ہے، لوگ غیر مہذب اور جاہل ہیں، خوراک خوفناک حد تک ان ہائی جینک ہے، جیسے ہی باہر سے کھایا، ڈائریا ہو جائے گا، ایسے شدت پسند ملک میں کسی گورے کا جانا شدید خطرے سے خالی نہیں۔ ٹونی بزان پچھلے سال کراچی آیا، پہلے ہی دن ہوٹل سے باہر کھانا کھانے گیا، گارڈ نے روکا کہ آپ کے لئے خطرہ ہے، ہوٹل میں کھانا کھائیں۔ ٹونی نے جواب دیا کہ میں شہر کو محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ کراچی کے سحر نے پھر اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اسے لوگ

بہت اچھے لگے، کھانے خاص طور پر چکن تکہ، سی فوڈ پسند آئے۔ خواتین کے ڈریسز نے متاثر کیا، پاکستانی موسیقی بالخصوص کلاسیکل موسیقی نے بوڑھے انگریز دانشور کو مسخر کر لیا۔ کہتا ہے کہ یہ موسیقی ریاضی کے اصولوں پر ترتیب دی گئی ہے، پاکستانی گلوکاروں کے گلے لگتا ہے خدا نے خاص توجہ سے بنائے ہیں۔ کراچی اور لاہور میں مختلف ہوٹلوں میں کھانے کھاتے، سڑکوں پر گھومتے اسے لوگوں کی حس ظرافت اور شگفتگی نے متاثر کیا۔ کہتا ہے کہ اتنے چیلنجز کے باوجود اپنا حوصلہ برقرار رکھنے والے اتنے زندہ دل لوگ دنیا میں کم ہی دیکھے ہیں۔

اتنی ڈھیر ساری مثبت باتیں سننے کے بعد میں نے اچانک سوال کیا، منفی پہلو کون سے محسوس ہوئے؟ ٹونی بزان نے ایک لمحے کے لئے میری طرف دیکھا اور کہنے لگا: ''منفی باتیں تو نہیں البتہ میں یہ کہوں گا کہ بعض چیزیں یہاں غلط ہو رہی ہیں، وہ پاکستانیوں کو درست کرنی چاہئیں۔ تین باتیں خاص طور پر اہم ہیں۔ ایک تو بچوں کو سکول میں خواب دیکھنا سکھانا چاہیے۔ دنیا کے بہت سے ملکوں میں بچوں کو خواہ مخواہ پریکٹیکل بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، انہیں زیادہ منطقی اور ریشنل بنایا جاتا ہے۔ یہ سب چیزیں وہ وقت آنے پر سیکھ لیں گے۔ بچپن، خاص کر پرائمری کلاسز میں انہیں خواب دیکھنا، خواب سجانا سیکھنا چاہیے۔۔۔۔۔ ایسے بڑے خواب جنہیں مکمل کرنے کے لئے ان کے اندر جذبہ پیدا ہو۔ دنیا کو تبدیل کرنے والے بڑے لوگ، جو اس کائنات کے ذہین ترین انسان تھے، ان میں ایک بات مشترک تھی کہ وہ بچپن میں خواب دیکھا کرتے تھے، خیالات میں ڈوبے رہتے اور نت نئے، اوٹ پٹانگ، مختلف قسم کے خیالات سوچا کرتے اور پھر بڑے ہو کر انہوں نے وہ سب کر دکھایا۔ سائنس کی شکل بدل دی، چاند پر پہنچ گئے، کھیلوں میں حیران کن کامیابیاں ممکن کر دکھائیں، آرٹ کے شاہکار بنائے، موسیقی میں انقلاب برپا کر دیا، اپنے ملکوں کی سیاست تبدیل کر دی۔

دوسرے، سکولوں میں رنگوں کا زیادہ بہتر استعمال سکھانا چاہیے۔ بہت سے ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی رنگ کم برتے جاتے ہیں۔ بچپن میں بلیک کلر کی لیڈ پینسل اور پھر بعد میں صرف نیلا یا کالا رنگ۔ آخر کیوں؟ انسانی دماغ رنگوں کو پسند کرتا، ان کی طرف کشش محسوس کرتا اور رنگوں ہی میں سوچتا ہے۔ جب پھیکے رنگ برتے جاتے ہیں تو بچوں کی دلچسپی کم ہو جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ دماغ بور ہو کر اپنے دروازے بند کر دیتا ہے۔ رنگ تخلیقی قوت کو بڑھاتے ہیں۔ سکولوں میں ہر طرف رنگ بکھرے ہونے چاہئیں، لکھنے میں مختلف رنگ استعمال کیے جائیں، ڈرائنگ اور آرٹ کا سکول ایجوکیشن میں حصہ بڑھنا چاہیے۔

تیسری کمزوری بچوں کے ساتھ ساتھ پاکستانی بڑوں کو بھی دور کرنی چاہیے۔ وہ ہے اچھی اور متوازن خوراک۔ میری پچاس سالہ تحقیق بتاتی ہے کہ صحت مند جسم صحت مند دماغ پیدا کرتا ہے۔ ہم جو کھاتے ہیں، ہمارے دماغ کی ویسی ہی ساخت بنے گی۔ جنک فوڈ...... جیسے برگر، پیزا، آئس کریم، مٹھائیاں، گھی میں تر بتر سالن، طرح طرح کے چپس، چاکلیٹ وغیرہ کھاتے رہنے سے دماغ بھی جنک ہی پیدا کرے گا۔ چنانچہ یہ سمجھ لیا جائے کہ تخلیقی سوچ اور نئے آئیڈیاز اس چربی کے نیچے دفن ہو جائیں گے۔ صحت مند غذا کھانے والے کا دماغ نیچرل انداز میں کام کرتا رہے گا۔ دودھ، پھل، سبزیاں، سلاد، نٹس (ڈرائی فروٹ) وغیرہ اپنی غذا میں شامل کریں۔ تازہ ہوا لیں، فطرت کے حسن کو دیکھیں، اس سے ہم آہنگ ہوں، پھول، سبزہ، پانی، درخت، سرسراتی ہواؤں کو محسوس کریں، صبح کی سیر، آرٹ، بڑے تناظر میں سوچنا، بڑے خواب دیکھنا اور ان کی عملی تعبیر پانے کے لئے سرگرداں ہو جانا ہی کامیابی کے راز ہیں۔ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے یہی کیا، بیس کروڑ پاکستانی ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟

احسان اللہ

نظام بدلنا ہوگا

کل سے میرے موبائل میں نیٹ سگنل نہیں آ رہے تھے۔ میں بہت پریشان تھا کہ آخر کیا وجہ ہے۔ موبائل کئی بار ری سٹارٹ کیا اور سم نکال کر دوبارہ لگائی مگر نیٹ سگنل تھے کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ آخر بندہ نیٹ کے بغیر کتنا صبر کر سکتا ہے۔ پھر میں تو نیٹ کا استعمال بھی نیک مقاصد کے لیے ہی کرتا ہوں۔ مثلاً نیٹ سے سبق آموز دینی معلومات کا حصول میری اولین ترجیح ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میں اکثر پاکستان کے چور سیاستدانوں کی کرپشن کے خلاف اور اسلامی نظام کے حق میں لکھتا رہتا ہوں یہ میرے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ اس لیے نیٹ سگنلز کا نہ ہونا ان نیک کاموں کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ آخر کافی تگ و دو کے بعد پتا چلا کہ میرا وہ پڑوسی ڈی فالٹر بن گیا ہے جس کے وائی فائی کا پاسورڈ میں نے بڑی محنت سے حاصل کیا تھا۔ وہ وائی فائی کا بل ہی ادا نہیں کر رہا تھا تو میرے پاس نیٹ سگنلز خاک آتے۔ مجبوراً مجھے اپنی جیب سے خرچ کر کے نیٹ پیکیج کروانا پڑا۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ وائی فائی کا بل تک نہیں دیتے۔ غیر ذمہ داری کی بھی حد ہوتی ہے۔ پاکستان ایسے لوگوں کے ہوتے ہوئے کیسے ترقی کرے گا۔ ایسے لوگوں کو ڈنڈے کے زور پر سیدھا کرنا ہوگا۔ نظام بدلنا ہوگا۔

دین کا جمال توازن میں ہے اور
دین کا کمال استقامت میں (ابویحییٰ)

احسان اللہ

تقدس کے اسیر

ہمارے ہاں دین کے معاملے میں عموماً عقل وشعوراور فہم وفراست کی بجائے لگے بندھے طورطریقوں پرسوچنے اورعمل کرنے ہی کوترجیح دی جاتی ہے۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی آنکھوں پرتقدس کی پٹی باندھ رکھی ہے۔ہم اس پٹی کو ہٹا کرکھلی آنکھوں سے دیکھنے کوباعث گناہ سمجھتے ہیں۔ جہاں تقدس کا معاملہ ہو وہاں ہم بندآنکھوں سے بلاسوچ سمجھےعمل کرتے ہیں اورلکیر کےفقیر بن جاتے ہیں۔

ہم اپنے ماضی کے مذہبی علما کومقدس سمجھتے ہیں۔ان میں سے کسی نے کوئی بات کہہ دی ہےتو اس پرسوال اٹھانے کاسوال ہی پیدانہیں ہوتا۔ان علما کی اجتہادی بصیرت سے سبق حاصل کرنے کی بجائے ہم ان کے اجتہادات پر ہرزمان ومکان میں روبوٹک انداز میں من وعن عمل کرنا چاہتے ہیں۔ان علمائے کرام میں سے کسی کی بات کیخلاف کوئی دلیل پیش کی جاے تو بس یہ کہ کر ردکردی جاتی ہے کہ فلاں مقدس شخصیت نے دین کونہیں سمجھا کیا؟ بھلاوہ کیسے غلط ہوسکتے ہیں؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ماضی کے علما ہمارے لئے باعث صداحترام ہیں۔ضروری ہے کہ ان سے علمی استفادہ کیا جائے۔مگرالمیہ یہ ہے کہ اکابرین سے ہماراتعلق مبنی برعلم نہیں بلکہ مبنی برتقدس ہے۔اگران کی بات کے خلاف کوئی علمی دلیل ہوتو بھی ہم بجائے اس پرغورکرنے کے اسے تقدس کی بھینٹ چڑھادیتے ہیں۔اگران سے ہماراتعلق علمی ہوتا تو ہم ان کی اجتہادی بصیرت سے بہرہ ورہوتے۔

شخصیات کی طرح عربی زبان بھی ہمارے لئے مقدس ہے۔یقیناً دینی علم کے معاملے میں عربی زبان کی اہمیت سے انکارممکن نہیں۔دین کی تفہیم کے لیئے بطورعلم عربی زبان ضرورسیکھنی

چاہیے مگر شخصیات ہی کی طرح عربی کی طرف بھی ہمارا رجحان سیکھنے کا نہیں بلکہ محض تقدس کا ہے۔ مطلب سمجھیں یا نہ سمجھیں عربی میں لکھی دعائیں رٹا لگا کر یاد کرنے اور پڑھنے کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں۔ امام مسجد کی عربی میں مانگی ہوئی دعاؤں پر بغیر سمجھے آمین آمین کی رٹ لگاتے ہیں۔ حالانکہ دعا میں بندہ اپنے من کی مرادیں بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہے مگر ہماری دعاؤں کا حال یہ ہوتا ہے کہ ہمیں یہ تک پتا نہیں ہوتا کہ ہم خدا کے حضور کیا مانگ رہے ہیں۔

صرف دعا ہی نہیں ہمارے خطبے بھی عربی میں ہوتے ہیں۔ خطبہ جمعہ جو وعظ و نصیحت کا بہترین ذریعہ ہے۔ جسے خاموشی سے بیٹھ کر سننا واجب قرار دیا گیا ہے، تقدیس عربی کی نظر ہو کر رہ گیا ہے۔ عربی میں دیے جانے والے اس خطبہ جمعہ کو بغیر سمجھے نہایت ادب، اور غور خوض سے سنا جاتا ہے۔ ہم اتنا بھی نہیں سوچتے کہ غور و خوض کی تاکید وہاں کی جاتی ہے جہاں صرف سننا نہیں بلکہ سمجھنا بھی ہو۔ اس مخصوص عربی خطبے سے پہلے ایک اور خطبہ بھی دیا جاتا ہے جو قومی یا مقامی زبانوں میں ہوتا ہے اسے عام طور پر عربی خطبے سے الگ شناخت دینے کے لیئے تقریر یا خطاب کا نام دیا جاتا ہے، سمجھ میں نہ آنے والے عربی خطبے کے برعکس اس سمجھے جانے والے خطبے کو ادب و احترام اور خاموشی سے سننا واجب قرار نہیں دیا جاتا بلکہ یہ خطبہ اگر کسی وجہ سے دیا ہی نہ جائے تو بھی اس میں کوئی شرعی قباحت محسوس نہیں کی جاتی ہے گویا اس خطبے کی خطبہ دینے والے کی نظر میں بھی کوئی اہمیت نہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں دین کو صحیح سمجھنے کی اور سمجھ کر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کسی کو چھوٹا ثابت کر کے
آپ خود بڑے نہیں ہو سکتے (ابویحییٰ)

ابو یحییٰ
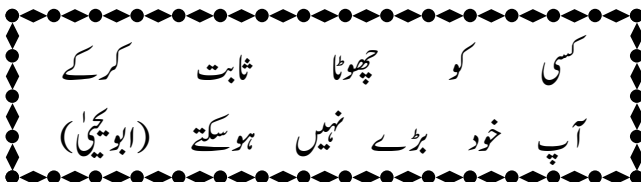
مضامین قرآن (51)

حقوق باری تعالیٰ: انفاق

قرآن مجید کے عبادات کے قانون میں نماز کے ساتھ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کو بنیادی دینی مطالبہ قرار دیا گیا ہے۔ نماز کی طرح انفاق بھی انسان کے جذبہ پرستش کا عملی اظہار ہے۔ نماز میں انسان اپنے جذبہ پرستش کا جسمانی طور پر اظہار کرتا ہے تو انفاق میں وہ اپنا مال رب کی نذر کر کے اس جذبہ پرستش کا اظہار کرتا ہے۔ وہاں اگر مالک کے لیے اپنا وقت قربان کیا تھا تو یہاں مال کو اس کے حکم پر نچھاور کیا جاتا ہے۔ وہاں اگر اپنی ہستی کو اس کے سامنے ڈال دیا تھا تو یہاں اپنے سامان ہستی کو اس کی راہ میں خرچ کر دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید اس عظیم عبادت کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے لیے متعدد اسالیب اختیار کر کے لوگوں کو اس پر ابھارا گیا ہے۔ زکوٰۃ، صدقات، خیرات، انفاق اور ایتاء (دینے) کے الفاظ استعمال کر کے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ اس اصرار اور تفصیل کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ مال ہر دور میں دنیا کے قائم مقام رہا ہے۔ مال خرچ کرنا گویا اپنی دنیا کو قربان کرنے کے مترادف ہے اور اس کا حوصلہ ہر دور میں انسانوں میں کم ہی رہا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت مسلسل ایسے حالات رہے تھے جب ضعفا کی مدد اور نصرت دین کے پہلو سے ہمہ وقت انفاق کی ضرورت تھی۔ یوں دین کی اس عظیم عبادت اور خدا کے اس غیر معمولی حق پر قرآن مجید میں بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس عبادت کا ایک پہلو تو اس کی شریعت ہے جو قرآن مجید میں کم ہی زیر بحث آئی ہے۔ عام

طور پر اس شریعت کو قانونِ زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ نماز کی طرح زکوٰۃ کی شریعت کا ماخذ قرآن مجید نہیں بلکہ سنت ہے۔ اس شریعت پر انشاء اللہ شرعی مطالبات کے ضمن میں ہم تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ البتہ ذیل میں ہم اس کی حکمت و فضیلت کے وہ بعض پہلو بیان کر دیتے ہیں جو قرآن مجید میں بہت تفصیل کے ساتھ زیر بحث آئے ہیں۔

تاریخ، اہمیت اور اجر

نماز کی طرح زکوٰۃ بھی ایک قدیم عبادت ہے۔ قدیم صحف سماوی میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے اور خود قرآن مجید نے یہ صراحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور سابقہ امت مسلمہ یعنی یہود کو اس عظیم عبادت کے اہتمام کا حکم دیا تھا۔ خود اس امت میں اس عبادت کی حیثیت بڑی غیر معمولی ہے۔ یہ ایک اخلاقی تقاضا بھی ہے، ایک شرعی فریضہ بھی ہے اور نماز کی طرح وہ بنیادی دینی مطالبہ بھی ہے جس کے قیام و انصرام کا مکلّف حکمرانوں کو بنایا گیا ہے۔ مسلمانوں پر یہ لازمی کیا گیا ہے کہ جب ان کے حکمران ان سے ان کا مال بطور زکوٰۃ مانگیں تو وہ اسے ادا کریں۔ اسلامی ریاست میں ان کی قانونی شہریت اور حقوق اس فریضے کی ادائیگی پر ہی موقوف ہیں۔ اس کی عدم ادائیگی پر حکمران ان سے جنگ کر کے یہ حق ان سے وصول کر سکتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں تو انھیں یہ حق حکمرانوں کو دینا ہوگا۔ دوسری طرف قرآن مجید نے حکمرانوں کو بھی کہا ہے کہ وہ اس مالی حق کی وصولی کے بعد مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دیں اور ان سے کوئی اور مالی مطالبہ نہ کریں۔

تاہم یہ معاملہ اس زکوٰۃ کا ہے جو ایک شرعی فریضے کے طور پر مسلمانوں کو اپنی بچتوں یا پیداوار پر ادا کرنا ہوتی ہے۔ رہا معاملہ اللہ کی راہ میں عمومی خرچ کا تو اس انفاق کا حکم ہر اس موقع پر ہے جب والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور دوسرے ضرورت مندوں کی مدد کا موقع آئے۔ قرآن مجید میں اس معاملے میں اس حد تک توجہ دلائی گئی ہے کہ اپنی ضروریات سے بڑھ کر مال کو

لوگوں کو معاشرے کی امانت سمجھنا چاہیے اور جب ضرورت ہو بے دریغ اسے خرچ کر دینا چاہیے۔

قرآن مجید یہ بھی واضح کرتا ہے کہ جنت کی راہ کے متلاشیوں کو خرچ کے لیے فراخی کا انتظار نہیں کرنا چاہیے بلکہ فراخی کے ساتھ تنگی کے موقع پر بھی ان کا ہاتھ نہیں رکنا چاہیے۔ اور اگر کسی موقع پر خرچ کرنے کی گنجائش نہ پائیں تو مانگنے والے سے بھلی بات کہہ کر رخصت کریں۔ انھیں چاہیے کہ وہ دوسرے کے سامنے بھی خرچ کریں تاکہ اور لوگوں میں بھی انھیں دیکھ کر انفاق کا جذبہ پیدا ہو اور لوگوں کو بتائے بغیر خاموشی سے بھی خرچ کریں کہ بعض اوقات اس طرح کا اخفا اپنے نفس کی پاکیزگی اور لینے والے کی عزت نفس دونوں کے لحاظ سے بہتر ہوتا ہے۔ جو لوگ اس طرح اپنا مال خرچ کرتے ہیں قرآن مجید ان کو یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کا بدلہ سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ جبکہ عام نیکیوں کا بدلہ دس گنا تک بڑھایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ انفاق گناہوں کی معافی کا بھی ایک بڑا ذریعہ ہے۔ مگر سب سے بڑھ کر خدا کے قرب اور اس کی رضا کے دروازے بھی یہ انفاق کھول دیتا ہے۔

تاہم یہ معاملہ اس انفاق کا ہے جو انسان اللہ کی رضا کے لیے اس کے بندوں پر کرتا ہے۔ ایک انفاق وہ ہے جو اللہ کے دین کی مدد و نصرت کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس خاص قسم کے انفاق کے لیے قرآن مجید نے ایک دوسری اصطلاح استعمال کی۔ یعنی یہ وہ قرض حسنہ ہے جو بندے اپنے رب کو دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس تعبیر کو اختیار کر کے اس طرح کے انفاق کی شان اتنی بلند کر دی کہ اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے جو قرض مالک دوجہاں کو دیا جائے گا وہ جب ادا کیا جائے گا تو پھر اس میں مالک اپنی حیثیت کا لحاظ کر کے ہی اس قرض کو ادا کرے گا۔

قرآنی بیانات

''اور میں (عیسیٰ ابن مریم) جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے سرچشمۂ خیر و برکت ٹھہرایا ہے۔ اور جب تک جیوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی ہدایت فرمائی ہے۔''، (مریم 31:19)

''اور ہم نے ان (انبیاء) کو پیشوا بنایا جو ہماری ہدایت کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور ہم نے ان کو بھلائی کے کام، نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کے ادا کرنے کی ہدایت کی۔ اور وہ ہماری ہی بندگی کرنے والے تھے۔'' (الانبیا 73:21)

''سو جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو، ان کو پکڑو، ان کو گھیرو، اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک لگاؤ۔ پس اگر یہ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تب ان کی جان چھوڑو۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''، (التوبہ 5:9)

''یہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو سرزمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز کا اہتمام کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔ اور انجام کار کا معاملہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔'' (الحج 41:22)

''وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ کہہ دو جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو تو وہ والدین، قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔''، (البقرہ 215:2)

''اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں کہہ دو کہ جو ضروریات سے بچ رہے۔ اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیتوں کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم غور کرو، دنیا اور آخرت دونوں کے معاملات میں۔''، (البقرہ 219:2)

''اور اگر تمھیں اپنے رب کے فضل کے انتظار میں، جس کے تم متوقع ہو، ان سے اعراض کرنا پڑ جائے تو تم ان سے نرمی کی بات کہہ دو۔'' (بنی اسرائیل 28:17)

''۔۔۔ جو کشادگی اور تنگی ہر حال میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔''، (آل عمران 134:3)

''اور اگر تم اپنے صدقات ظاہر کر کے دو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور چپکے سے غریبوں کو دے دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تمہارے گناہوں کو جھاڑ دے گا اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے۔''، (البقرہ 271:2)

''میرے ان بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہہ دو کہ نماز کا اہتمام رکھیں اور جو کچھ ہم نے ان کو

عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ و علانیہ خرچ کریں پیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی۔''، (ابراہیم 31:14)

''اور ان میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اور رسول کی دعاؤں کو حصول قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سو بے شک یہ ان کے لیے واسطۂ قربت ہی ہے۔ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔''، (التوبہ 99:9)

''تم اللہ کو قرض دو، اچھا قرض تو وہ اُس کو تمھارے لیے کئی گنا بڑھا دے گا اور تمھاری مغفرت فرمائے گا۔ اللہ بڑا قدر دان اور بڑا بردبار ہے۔''، (التغابن 17:64)

''ان لوگوں کے مال کی تمثیل جو اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کے مانند ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں اور اس کی ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اللہ برکت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اللہ بڑی گنجائش والا اور علم والا ہے۔''، (261:2)

''اور کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے کہ اللہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھائے۔ اللہ ہی ہے جو تنگ دستی بھی دیتا ہے اور کشادگی بھی دیتا ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹنا بھی ہے۔''، (البقرہ 245:2)

آداب و تنبیہات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلاً انفاق کے آداب بیان کیے ہیں اور اس ضمن میں ملحوظ رکھی جانے والی احتیاط پر بھی متنبہ کیا ہے۔ اس حوالے سے بیان کی گئی غالباً سب سے اہم بات یہ ہے کہ بندہ مومن کو یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جو کچھ وہ خرچ کر رہا ہے، وہ اصلاً کل کا کل اس کے رب کا ہی دیا ہوا ہے۔ انسان تو اس دیے ہوئے میں سے بہت تھوڑا حصہ لوٹا تا ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر بندہ مومن کی نفسیات یہ ہونی چاہیے کہ بجائے اس کے کہ انسان مال خرچ کر کے فخر کی نفسیات میں مبتلا ہو، اسے ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں اس کی کسی کوتاہی کی بنا پر یہ انفاق الٹا جواب دہی کا سبب نہ بن جائے۔ یہ کوتاہیاں کیا ہوسکتی ہیں جو اس انفاق کو باعث

گرفت بنادیں، قرآن نے ان کو بھی واضح طور پر بیان ہے۔ یہ کہ انسان مال خرچ کرے اور کرنے کے بعد لوگوں پر احسان جتائے اور انھیں ایذا ء دے۔ یہ کہ انسان لوگوں کو دکھانے کو مال خرچ کرے اور اس کا اصل مقصد یہ ہو کہ اس ریا کارانہ عمل سے وہ لوگوں سے داد وصول کرے اور معاشرے میں مقام و مرتبہ حاصل کرے۔ قرآن واضح کرتا ہے کہ انفاق کا جذبہ محرکہ صرف اور صرف رب کی رضا ہونا چاہیے اور بدلے میں اگر اس دنیا میں کچھ مقصود ہو تو وہ یہ کہ انسان اپنے نفس کو پاکیزہ کر کے راہ حق پر ثابت قدم رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اخلاص کے ساتھ انفاق کرنا نفس کی پاکیزگی کے لیے انتہائی مفید ہے کہ یہ دل سے دنیا کی محبت نکالتا اور آخرت کی محبت پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ جو مال یہاں خرچ کیا وہ دراصل آخرت میں کہیں زیادہ بڑھا کر لوٹایا جائے گا۔

اس کے ساتھ قرآن مجید یہ بھی واضح کرتا ہے کہ انسان کا یہ اخلاص اس درجہ میں ہونا چاہیے کہ جن پر خرچ کیا جا رہا ہو ان کی طرف سے کبھی کوئی منفی ردعمل سامنے آئے تو انسان انھیں یکطرفہ طور پر معاف کر دے۔ کیونکہ اگر انسان کو دیا تھا تو ان سے بدلہ لینے کا حق ہے اور اگر رب کے حضور اپنا مال نذر کیا تو بندے کو اس سے کیا غرض کہ جواب میں کوئی احسان فراموشی کرتا ہے یا تعریف و توصیف سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید اس بات کی مناہی کرتا ہے کہ لوگ راہ خدا میں چن چن کر اپنے ناکارہ مال خرچ کریں۔ بلکہ وہ یہ سمجھاتا ہے کہ خدا کی وفاداری اور نیکی کی راہ کا یہ تقاضا ہے کہ انفاق کے موقع پر انسان اپنی محبوب ترین چیز کو خرچ کرے۔ اس کے بغیر خدا سے وفاداری کا شرف حاصل کرنا آسان نہیں۔ ہاں اگر کسی موقع پر کسی کے پاس کچھ نہیں اور انفاق کا کوئی مطالبہ سامنے آجائے تو پھر انسان کا اخلاص اور انفاق کی سچی خواہش ہی اسے خدا کی عنایت کا مستحق بنانے کے لیے کافی ہے۔

قرآن مجید یہ حقیقت بھی آشکار کرتا ہے کہ جو لوگ مال ہوتے ہوئے اس عظیم عبادت کے ادا کرنے سے دور رہتے ہیں وہ خود اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھا تا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی راہ سے روکنا شیطان کا طریقہ ہے۔ جو لوگ ہوسِ دنیا کا شکار ہو کر مال کو ایک خزانہ کی طرح سینت سینت کر رکھتے ہیں، ان کے لیے جہنم کی سزا ہے۔ یہی سزا ان لوگوں کے لیے ہے جو بخل سے کام لیتے اور دوسروں کو بھی بخل کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ انفاق سے بچنے کے لیے ہر وقت اپنی تنگ دستی کا رونا روتے رہتے ہیں وہ بھی ذلت آمیز عذاب کا شکار ہوں گے۔

اس ضمن کی آخری اہم بات یہ ہے کہ کوئی انفاق ان لوگوں کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا جو کفر اور سرکشی کی روش پر قائم ہوں۔ بظاہر نیکی اور خیر کے کاموں کے لیے کیا گیا وہ انفاق بھی خدا کی بارگاہ میں مردود ہے جس کے پیچھے حق کے انکار کی نفسیات کھڑی ہو۔ یہ ایمان ہے جو ہر عمل کو زندگی بخشتا ہے۔ کفر انفاق جیسی اعلیٰ عبادت کو بھی کھا جاتا ہے۔

قرآنی بیانات

''اے ایمان والو، جو کچھ ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ کسی کی سفارش نفع پہنچائے گی اور جو لوگ انکار کرنے والے ہیں اپنے اوپر اصلی ظلم ڈھانے والے وہی ہیں۔''، (البقرہ 254:2)

''ان لوگوں کے لیے جو غیب میں رہتے ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''، (البقرہ 3:2)

''اور وہ لوگ جو دیتے ہیں تو جو کچھ دیتے ہیں اس طرح دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرتے ہوئے ہوتے ہیں کہ انھیں خدا کی طرف پلٹنا ہے۔''، (المومنون 23 :60)

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے پیچھے نہ احسان جتاتے نہ دل

آزاری کرتے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔ اور نہ تو ان کے لیے کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''، (البقرہ 262:2)

''اے ایمان والو، احسان جتا کر اور دل آزاری کر کے اپنی خیرات کو اکارت مت کرو۔ اس شخص کے مانند جو اپنا مال دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روز آخرت پر وہ ایمان نہیں رکھتا۔ ایسے شخص کی تمثیل یوں ہے کہ ایک چٹان ہو جس پر کچھ مٹی ہو، پھر اس پر زور کا مینہ پڑے اور وہ اس کو بالکل سپاٹ پتھر چھوڑ جائے۔ ان کی کمائی میں سے کچھ بھی ان کے پلے نہیں پڑے گا اور اللہ ناشکروں کو بامراد نہیں کرے گا۔''، (البقرہ 264:2)

''اور جو تم میں صاحب فضل اور کشادہ حال ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ قرابت مندوں، مسکینوں اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہ کریں گے بلکہ عفو و درگذر سے کام لیں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخشے! اور اللہ غفور رحیم ہے۔''، (النور 24:22)

''اور ان لوگوں کے عمل کی تمثیل جو اپنے مال اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو جمائے رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اس باغ کے مانند ہے جو بلندی پر واقع ہو۔ اس پر بارش ہوگئی تو دو چند پھل لایا، بارش نہ ہوئی تو پھوار بھی کافی ہوگئی اور اللہ، جو کچھ بھی تم کر رہے ہو، اس کو دیکھ رہا ہے۔''، (البقرہ 265:2)

''اے ایمان والو، اپنے کمائے ہوئے پاکیزہ مال میں سے خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں اور اس میں سے وہ مال تو خرچ کرنے کا خیال بھی نہ کرو، جس کو خدا کی راہ میں تو خرچ کرنے پر آمادہ ہو جاؤ لیکن اگر وہی مال تمہیں لینا پڑ جائے تو بغیر آنکھیں میچے اس کو نہ لے سکو اور اس بات کو خوب یاد رکھو کہ اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔''، (البقرہ 267:2)

''تم خدا کی وفاداری کا درجہ ہرگز نہیں حاصل کر سکتے جب تک ان چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو اور جو کوئی چیز بھی تم خرچ کرو گے تو اللہ اس سے باخبر ہے۔''، (آل عمران 92:3)

''اور نہ ان لوگوں پر کوئی الزام ہے جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں کہ ان کے لیے کسی سواری کا انتظام کر دو، تم کہتے ہو میرے پاس تمہاری سواری کا کوئی بندوبست نہیں

تو وہ اس حال میں واپس ہوتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو رواں ہوتے ہیں کہ افسوس کہ وہ خرچ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔''،(التوبہ 92:9)

''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو تباہی میں نہ جھونکو۔ اور انفاق خوبی کے ساتھ کرو۔ بے شک اللہ خوبی کے ساتھ کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''،(البقرہ 195:2)

''شیطان تمھیں تنگ دستی سے ڈراتا اور بے حیائی کی راہ سجھاتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی سمائی اور بڑا علم رکھنے والا ہے۔''،(البقرہ 268:2)

''اے ایمان والو، ان فقیہوں اور راہبوں میں بہتیرے ایسے ہیں جو لوگوں کا مال باطل طریقوں سے ہڑپ کرتے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی ڈھیر کر رہے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔''، (التوبہ 34:9)

''جو خود بھی بخل کرتے اور دوسروں کو بھی بخالت کا مشورہ دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل میں سے جو کچھ انھیں دے رکھا ہے اس کو چھپاتے ہیں، ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔''،(النسا 37:4)

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد خدا کے مقابل میں کام آنے والے نہیں۔ یہ لوگ دوزخی ہوں گے اور وہ اسی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔
یہ جو کچھ اس دنیا میں خرچ کرتے ہیں اس کی تمثیل ایسی ہے کہ کسی ایسی قوم کی کھیتی پر جس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہو، پالے والی ہوا چل جائے اور وہ اس کو تباہ کر کے رکھ دے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ یہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے ہیں۔''،(آل عمران 116-117:3)

جن انسانوں کی انا بہت مضبوط ہوتی ہے
ان کی شخصیت اکثر بہت کمزور رہ جاتی ہے (ابویحییٰ)

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (55)

ایتھنو گرافیکل میوزیم کے اندر مختلف ادوار کی بہت سی اشیاء موجود تھیں جن سے ان ادوار میں رہنے والوں کی زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے چند اشیاء کی تفصیل یہ ہے:

مذہبی نوعیت کے نوادرات: ان میں دیوی دیوتاؤں کے مجسمے اور تصاویر رکھے ہوئے تھے۔ زیادہ تر تصاویر بھی پتھر تراش کر بنائی گئی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کے دیگر علاقوں کی طرح اناطولیہ میں بھی شرکیہ مذاہب کا غلبہ رہا ہے۔ بعض تصاویر میں دیوتاؤں کو جنگ کرتے دکھایا گیا تھا۔ ایک جگہ ابوالہول کے مجسمے بھی تھے جس کا سر انسان کا اور دھڑ شیر کا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصری مذہب کے آثار یہاں بھی موجود رہے تھے۔ بعض دیویوں کے مجسمے بھی موجود تھے۔ اناطولیہ کے لوگوں کے خیال میں زمین اور ماں کی کوکھ کی زرخیزی کا تعلق کچھ دیویوں سے تھا۔

جنگ سے متعلق نوادرات: ان میں پتھروں پر تراشیدہ تصاویر میں جنگی مناظر پیش کئے گئے تھے۔ قدیم دور کی کچھ تلواریں اور نیزے بھی پڑے ہوئے تھے۔ ایک مجسمے میں ایک گھڑ سوار کو شیر سے لڑتا دکھایا گیا تھا۔

گھریلو اشیاء: گھریلو اشیاء میں تانبے، کانسی اور مٹی کے ہر سائز کے برتن شامل تھے۔ بعض تصاویر بھی گھریلو زندگی کی عکاسی کرتی تھیں۔ ایک تصویر میں ایک شخص کو چھت پر چڑھتے دکھایا گیا تھا۔ ایک جگہ پتھر کی بنی ہوئی باقاعدہ پارٹیشن موجود تھی جس سے گھر کے اندر پردے کا کام لیا جاتا ہوگا۔

بادشاہوں کی تصاویر اور مجسمے: یہاں مختلف تصاویر اور مجسمے موجود تھے جو بادشاہ کی زندگی کی

عکاسی کرتے تھے۔ بعض تصاویر میں یہ پیغام دیا گیا تھا کہ عوام کو بادشاہ کے سامنے سرنگوں ہوکر رہنا چاہیے۔ ایک تصویر میں بادشاہ کو رتھ پر دکھایا گیا تھا جس کے گھوڑے کے سم ایک شخص کو کچل کر جا رہے تھے۔

معیشت سے متعلق نوادرات: بعض نوادرات کا تعلق معاش سے تھا۔ پتھر کو تراش کر ایک بیل گاڑی بنائی گئی تھی جس کے آگے دو بیل جتے ہوئے تھے۔ ایک تصویر میں چرواہے کو بکریاں چراتا دکھایا گیا تھا۔ ایک تصویر میں بازار کا منظر دکھایا گیا تھا۔

کہانیوں پر مشتمل تصاویر: بعض تصاویر ایک سیریز پر مشتمل تھیں جن میں ایک کہانی بیان کی گئی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم انسان اپنی تخلیقی صلاحیت کا اظہار کیسے کرتا تھا۔

پورنوگرافی: فحش تصاویر صرف موجودہ دور میں ہی نہیں پائی جاتیں بلکہ قدیم دور میں فحش جذبات کا اظہار مجسموں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ یہاں بھی ایسے بعض بیہودہ مجسمے موجود تھے۔

سکے اور مہریں: بادشاہوں کے مختلف ادوار کے سکوں اور مہروں سے چند شوکیس بھرے ہوئے تھے۔ یہ زیادہ تر سونے، تانبے اور کانسی کے بنے ہوئے تھے۔

بادشاہوں کے سر: بعض بادشاہوں کا پورا مجسمہ بنانے کی بجائے ان کے صرف سر بنائے گئے تھے جس میں ان کی شکل کو نمایاں کیا گیا تھا۔

زیورات: خواتین کے مختلف زیورات جن میں انگوٹھیاں، نیکلس اور بریس لٹ شامل تھے۔ یہ زیادہ تر سونے اور چاندی کے بنے ہوئے تھے۔

میوزیم میں مختلف طرز کے مذہبی اور غیر مذہبی مجسمے ہر سائز میں موجود تھے۔ چھوٹے مجسمے شاید بچوں کے کھلونوں کے طور پر استعمال ہوتے ہوں گے۔

اس میوزیم میں میری توجہ کا مرکز قدیم اناطولیہ کے مذہب سے متعلق مجسمے تھے۔ یہاں

مختلف قوموں کے دیوی دیوتاؤں کے مجسمے موجود تھے۔قدیم دور میں ہر قوم کے دیوی دیوتا مختلف ہوا کرتے تھے۔ان کے خیال میں تمام دیوی دیوتا ایک بڑے خدا کے تحت کام کرتے تھے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ توحید انسان کی فطرت میں اس حد تک راسخ ہے کہ شرک کو اختیار کرنے کے باوجود وہ ایک بڑے خدا کو ماننے پر مجبور ہے۔

اگر ہم دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلتے جائیں تو ایک عظیم خدا کا تصور یکساں طور پر موجود رہتا ہے جبکہ نچلے درجے کے دیوی دیوتا ہر قوم اور تہذیب میں تبدیل ہوتے چلے جاتے ہیں۔حقیقت صرف ایک ہی ہوتی ہے جبکہ جہالت ہر علاقے کی مختلف ہوا کرتی ہے۔ ہر قوم کے مذہبی راہنماؤں نے اپنے تصور کے مطابق کچھ نام رکھ لیے اور انہیں خدا قرار دے دیا۔اس کے بعد انہوں نے ان دیوتاؤں سے متعلق پوری کی پوری دیو مالا گھڑ لی۔ دور کیوں جایئے، برصغیر پاک و ہند کا علاقہ اس دیو مالا کے بارے میں خود کفیل ہے۔

انقرہ میں چند مساجد بھی تھیں جن میں حاجی بہرام مسجد زیادہ مشہور تھی۔ یہ مسجد 1428ء میں تعمیر کی گئی تھی۔ وقت کی کمی کے باعث ہم یہ مساجد نہ دیکھ سکے۔

انقرہ کا قلعہ اور جولین مرتد کا مینار

میوزیم دیکھنے کے بعد ہم باہر نکلے۔اب ہم انقرہ کے قلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ یہ ویسا ہی قلعہ تھا جیسا کہ عام طور پر قلعے ہوا کرتے ہیں۔ برصغیر کے قلعوں کے برعکس اس قلعے کی دیواریں پتھروں کی بنی ہوئی تھیں۔قدیم دور میں پتھروں کو تراش کر مکعب شکل کی بڑی بڑی اینٹوں میں تبدیل کر دیا جاتا اور پھر انہیں تعمیراتی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا۔اس قلعے کی ابتدائی تعمیر رومی دور سے پہلے ہوئی تھی۔اس کے بعد رومیوں، بازنطینیوں اور سلجوقیوں نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق قلعے میں تبدیلیاں کیں۔ [جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

غزل

امّت ہوں مصطفیٰ کی، یہ انعام دیکھیے
یہ عزّ و شرف، نعمت و اکرام دیکھیے

زادِ سفر ہو ساتھ تو پھر کوئی غم نہیں
اِس زندگی کا نقطۂ انجام دیکھیے

جو کام کر گئے ہیں، وہی ہو گئے امر
گم ہو گئے جو وقت میں ......گمنام دیکھیے

جو مصلحت شناس تھے، بچ کر نکل گئے
کچھ لوگ مفت میں ہوئے بدنام دیکھیے

وہ سازشیں بھی کر کے بہت پارسا بنے
کچھ لوگ مفت میں ہوئے بدنام دیکھیے

حد سے گزر رہے ہیں یہ اربابِ اختیار
اُن کے لبوں پہ صورتِ دُشنام دیکھیے

دورِ جدید نے نئے کچھ نام رکھ لیے
ساغر، سبو، وہی ہے، وہی جام دیکھیے

خوفِ خدا تو جیسے، دلوں سے نکل گیا
ہوتے ہیں ظلم کیسے، سرِ عام دیکھیے

زینب کے قتل کیس نے سب کو رُلا دیا
سفّاکیت میں ڈوبی ہوئی شام دیکھیے

جب آپ ہم نشیں تھے تو محفل کا تھا گماں
سونے پڑے ہیں اب یہ درو بام دیکھیے

اب دل نواز صبحوں کا موسم کہاں نصیب
مصنوعی روشنی سے سجی، شام دیکھیے

اہلِ وفا کا آپ جو کرنے لگیں شمار
رنگِ حنا سے لکھّا میرا نام دیکھیے

ہمارا اصل امتحان اس وقت شروع ہوتا ہے
جب بظاہر ہم امتحان سے نکل چکے ہوتے ہیں (ابویحییٰ)

ابو یحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles reg

Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

ماہنامہ

اِنذار

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوائیے۔اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

کراچی کے لیے 500، بیرون کراچی کے لیے 400 روپے کا منی آرڈر ہمارے پتے پر ارسال کیجئے......یا
ایک پے آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام ''ماہنامہ انذار'' بینک الفلاح لمیٹڈ (صدر برانچ)
اکاؤنٹ نمبر 0171-1003-729378 کے نام بھجوائیے
رسالہ آپ کو گھر بیٹھے ملتا رہے گا

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے
2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوائیے
3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

ایجنسی لینے کا طریقہ کار:

ایجنسی کے لیے ہر ماہ کم از کم پانچ رسالے لینا ضروری ہے
ایجنسی کا ڈسکاؤنٹ **20** فیصد ہے
ایجنسی لینے کے لیے اوپر دیئے گئے پتے پر رابطہ کیا جا سکتا ہے

Monthly
INZAAR

JUL 2018
Vol. 06, No. 07
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi